سورۂ سبا

ایاتہا ۵۴ ۳۴ سورۃ سبا مکیۃ ۵۸ رکوعاتہا ۶

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے(1) مگر ایک آیت میں اختلاف ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ایک جماعت نے کہا: یہ مکی ہے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مومن ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے: یہ مدنی ہے(2) مومنین سے مراد جو مدینہ طیبہ میں اسلام لائے جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے مومن کوئی بھی ہو۔ اس کی چون آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ①

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں اور وہی بڑا دانا ہر بات سے باخبر ہے"۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ، الَّذِيْ محل جر میں ہے نعت ہونے کے اعتبار سے یا بدل ہونے کے اعتبار سے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا کے مضمر ہونے کے اعتبار سے محل رفع میں ہو اور اعنی کے مضمر ہونے کے اعتبار سے محل نصب میں ہو۔

سیبویہ نے یہ حکایت بیان کی ہے الحمد للہ اھل الحمد لفظ اہل رفع، نصب اور جر کے ساتھ ہے۔ کامل حمد اور ثناء شامل سب اللہ کے لیے ہے، کیونکہ تمام ترنعمتیں اس کی جانب سے ہے۔

سورۂ فاتحہ کے آغاز میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ (الزمر: 74) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (یونس) وہ آخرت میں محمود ہے جس طرح دنیا میں محمود ہے وہ آخرت کا مالک ہے جس طرح دنیا کا مالک ہے۔

وَ هُوَ الْحَكِيْمُ وہ اپنے فعل میں حکیم ہے اور اپنی مخلوق کے امر کے بارے میں باخبر ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 404　　2۔ ایضاً

هُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝

''وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے نیز وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا اور جو آسمان کی طرف عروج کرتا ہے اور وہی ہمیشہ رحم فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے''۔

زمین میں جو قطرہ وغیرہ داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ (الزمر:21) یعنی خزانے، دفینے اور مردے زمین جن کو محفوظ کرنے کی جگہ ہے۔ زمین سے جو نباتات وغیرہ اگتی ہے اسے بھی جانتا ہے۔ آسمان سے جو بارش، برف، اولے، بجلیاں، رزق، مقادیر اور برکات نازل ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے تشدید کے ساتھ وما ننزل قراءت کی ہے۔ آسمان کی طرف فرشتے اور بندوں کے جو اعمال بلند ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے لوگوں کا قول ہے(1)۔ اور وہ رحیم وغفور ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

''اور کفار کہتے ہیں: ہم پر قیامت نہیں آئے گی آپ فرمایئے: ضرور آئے گی مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے تم پر قیامت ضرور آئے گی نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چھوٹی چیز ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر وہ کتاب مبین میں (درج) ہے (قیامت آئے گی) تاکہ اللہ تعالیٰ جزا دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، یہی وہ (نیک بخت) لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور رزق کریم ہے''۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اہل مکہ ہیں۔ مقاتل نے کہا: ابوسفیان نے کفار مکہ سے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! ہم پر قیامت کبھی نہیں آئے گی اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل اے محمد! کہیے: بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ ہارون نے طلق معلم سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے اپنے مشائخ کو پڑھتے ہوئے سنا: قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَيَأْتِيَنَّكُمْ یا کے ساتھ۔ اسے معنی پر محمول کیا ہے، گویا کہا: تمہیں بعث اور اس کا امر ضرور آئے گا جس طرح فرمایا: هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ (الانعام:158) یہ کفار ابتدا کا اقرار کرتے اور اعادہ کے منکر تھے۔ انہوں نے دوبارہ اٹھانے کی قدرت کا جو اعتراف کیا تھا یہ اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا: اگر وہ قادر ہے تب بھی اس طرح نہیں کرے گا۔ جب اس نے رسولوں کی زبانوں پر یہ خبر دی کہ وہ مخلوق کو دوبارہ اٹھائے گا تو اس کے بعد یہ حکم ہے

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 315

جب خبر کسی شے کے لیے وارد ہو وہ فعل کے اعتبار سے ممکن ہو تو وہ مقدور ہوگی جس کا صدق ثابت ہو اس کی تکذیب محال ہو۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ رفع کے ساتھ قراءت نافع اور ابن کثیر کی ہے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر لَا یَعْزُبُ عَنْهُ ہے۔ عاصم اور ابو عمرو نے عٰلِمِ جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی الحمد للہ العالم اس قراءت کی بنا پر لتاتینکم پر وقف اچھا نہیں۔ حمزہ اور کسائی نے علام الغیوب مبالغہ اور نعت کے طریقہ پر قراءت کی ہے۔ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ اس سے غائب نہیں ہوتا۔ ویَعْزِبُ بھی قراءت ہے۔

فراء نے کہا: کسرہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ یحییٰ بن وثاب کی قراءت ہے یہ معروف لغت ہے یوں کہا جاتا ہے: عزب یعزُب و یعزِب۔ جب وہ دور ہو جائے اور غائب ہو جائے۔ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ چھوٹی چیونٹی کے برابر۔ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اعمش کی قراءت میں ہے ولا اصغر من ذلک ولا اکبر دونوں پر فتحہ ہے اس کا عطف ذرۃ پر ہے، عام قراءت رفع کے ساتھ ہے اس کا عطف مثقال پر ہے۔ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ جو اس نے پیدا کیا اس نے جو پیدا کیا اس کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ لِّیَجْزِیَ یہ لام کی کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے لتاتینکم لیجزی الذین آمنوا و عملوا الصالحات ایمان داروں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو ثواب اور کافروں کو عقاب دے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ مومنوں کے لیے گناہوں کی بخشش اور جنت ہے۔

وَالَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ⑤

''اور جو (بدبخت) کوشش کرتے رہے ہیں کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر ہمیں ہرا دیں، یہی ہیں جن کے لیے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے''۔

وَالَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْٓ اٰیٰتِنَا جنہوں نے ہمارے ادلہ کو باطل کرنے اور ہماری آیات کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ مُعٰجِزِیْنَ وہ سبقت کی کوشش کرتے ہیں، وہ گمان کرتے تھے کہ وہ ہماری قدرت سے باہر نکل جائیں گے۔ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر نہیں۔ وہ گمان کرتے تھے کہ ہم انہیں مہلت دے دیں گے۔

لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یوں کہا جاتا ہے: عاجزہ و أعجزہ جب اس پر غالب آ جائے اور اس پر سبقت لے جائے۔ اَلِیْمٍ کسرہ کے ساتھ نافع کی قراءت ہے۔ یہ رِّجْزٍ کی صفت ہے، کیونکہ رِّجْزٍ سے مراد عذاب ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (البقرہ: 59) ابن کثیر اور حفص نے حضرت عاصم سے لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ پڑھا ہے یعنی الیم پر رفع پڑھا ہے یہاں اور سورۃ الجاثیہ میں یہ عذاب کی صفت ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن، حمید بن قیس، مجاہد اور ابو عمر نے مُعَجِّزِیْنَ قراءت کی ہے یعنی وہ لوگوں کو ایمان سے روکنے والے ہیں۔

وَیَرَى الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَیَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ⑥

''اور جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے وہی (عین) حق ہے اور عزت والے، سب خوبیوں سراہے (خدا) کا راستہ دکھاتا ہے''۔

جب ان لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے نبوت کو باطل کرنے کی کوشش کی تو اس امر کو واضح کیا کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ یہ جانتے ہیں کہ قرآن حق ہے۔ مقاتل نے کہا: الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد اہل کتاب میں سے مومن ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تمام مسلمان ہیں۔ یہ اپنے عموم کی وجہ سے صحیح ترین ہے۔ رویت یہ علم کے معنی میں ہے۔ یہ محل نصب میں ہے اس کا عطف لیجزی پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لیجزی ولیری؛ یہ زجاج اور فراء کا قول ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے، کیونکہ اس کا فرمان لِيَجْزِيَ اس کے فرمان لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ کے متعلق ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا: تاکہ تمہارے اوپر قیامت آئے تاکہ اہل علم جان لیں کہ قرآن حق ہے کیونکہ وہ اسے حق ہی خیال کرتے ہیں اگرچہ قیامت برپا نہ ہو۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ کے طور پر مرفوع ہے؛ قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جب لِيَجْزِيَ اس معنی کے متعلق ہے اس نے اسے کتاب مبین میں ثابت کیا ہے تو وَيَرَى کا عطف لِيَجْزِيَ پر کرنا اچھا ہوگا، یعنی اس نے ثابت کیا تاکہ اہل علم جان لیں کہ قرآن حق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو۔ الَّذِیْ یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ یَرَی کا مفعول اول ہے۔ هُوَ الْحَقَّ، الْحَقَّ مفعول ثانی ہے۔ هُوَ ضمیر فصل ہے۔ کوفی کہتے ہیں: هُوَ ضمیر سہارا ہے۔ اس پر الَّذِیْ کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔ الْحَقَّ اس کی خبر ہے جملہ مفعول ثانی کی حیثیت سے منصوب ہے۔ جس میں الف لام ہو اس میں تمام نحویوں کے نزدیک نصب اکثر آتی ہے۔ اسی طرح وہ نکرہ جس پر الف لام داخل نہ ہو تو وہ معرفہ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اگر خبر اسم معرفہ ہو جس طرح تیرا قول ہے: کان اخوک ھو زید توفراء نے گمان کیا ہے: اس میں رفع پسندیدہ ہے۔ اسی طرح کان محمد ھو عمرو ہے۔ اس کے رفع کو پسند کرنے کی علت یہ ہے جب اس میں الف لام نہیں تو یہ نکرہ کے مشابہ ہو گیا۔ تیرے قول میں ہے: کان زید ھو جالس کیونکہ اس میں رفع کے سوا کوئی چیز جائز نہیں۔

وَ يَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ قرآن اسلام کے طریقہ کی طرف دعوت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ اپنے اس ارشاد العزیز سے اس امر پر دلالت کی کہ اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا اور الْحَمِيْدِ کے قول سے اس پر دلالت ہے کہ عجز کی صفت اس کے شایان شان نہیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ

''اور منکرین (قیامت) کہتے ہیں: (اے یارو!) کیا ہم پتہ بتائیں تمہیں اس شخص کا جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم (مرنے کے بعد) ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو تم از سر نو پیدا کیے جاؤ گے''۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ اگر تو چاہے تو فعل کے لام کو ندلکم کے نون میں مدغم کر دے کیونکہ لام نون کا قریب المخرج ہے۔ یُنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ جس نے یہ کہا تھا لا تاتینا الساعۃ اس کی جانب سے ہی یہ خبر ہے۔ یعنی کیا ہم تمہیں ایسے آدمی کے بارے میں رہنمائی کریں جو تمہیں آگاہ کرے اور تمہیں کہے: تم کو قبروں میں بوسیدہ ہونے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ یہ ان کے حد درجہ انکار کی وجہ سے کلام صادر ہو رہی ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو یہ کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں نام سے مشہور و معروف تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بعث کے بارے میں خبر دینا یہ مشہور و معروف تھا تو ان کے اس قول کا کیا معنی ہے؟

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمْ انہوں نے آپ کو اجنبی کی حیثیت دی اور آپ پر رہنمائی کرتے ہوئے ان پر پیش کیا جس طرح مجہول کے بارے میں مجہول امر میں رہنمائی کی جاتی ہے (1)۔ میں کہتا ہوں: وہ اس سے طنز، مزاق اور تمسخر کا ارادہ کرتے تھے تو انہوں نے اس ذات کو پیش کیا جس طرح اس آدمی کو پیش کیا جاتا ہے جس کے بارے میں حکایت کی جارہی ہو، پہیلی کے انداز میں جس پہیلی کو ہنسی اور مذاق کے لیے ذکر کیا جاتا ہے اس کے بارے میں اور اس کے معاملہ کے بارے میں جان بوجھ کر جاہل بنا دیتا ہے۔ اذا محل نصب میں ہے، اس میں عامل مُزِّقْتُمْ ہے، یہ نحاس کا قول ہے۔ اس میں یُنَبِّئُكُمْ کو عامل بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ انہیں اس وقت خبر نہیں دیتا۔ اس میں عامل ان کا مابعد بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان کے ماقبل میں عامل نہیں ہوتا۔ جس کا محل اس کا مابعد ہے اور جو اس کا معمول ہے اسے اس سے مقدم نہ کیا جائے۔ زجاج نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ اس میں عامل محذوف ہو۔ تقدیر کلام یہ ہے: اذا مزقتم کل ممزق بعثتم یا تقدیر کلام یہ ہوگی: ینبئکم بأنکم تبعثون اذا مزقتم۔

مہدوی نے کہا: مُزِّقْتُمْ اس میں عامل نہیں کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ، مضاف میں عامل نہیں ہوتا۔ بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ اذا کو مجازات کے لیے بنا دیا جائے۔ اس وقت اس کا مابعد اس میں عامل ہوگا، کیونکہ اذا مابعد کی طرف مضاف نہیں۔ شعر میں اذا اکثر مجازات کے لیے آتا ہے۔ مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ کا معنی ہے تمہیں کلی طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ مزق کا معنی اشیاء کو پھاڑنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ثوب مزیق و ممزوق و متمزق و ممزق پھٹا ہوا کپڑا۔

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ۝

"یا تو اس نے (یہ کہہ کر) اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے (میرا حبیب نہ مفتری ہے نہ دیوانہ) بلکہ وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ (کل) عذاب میں اور (آج) دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں"۔

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا جب ہمزہ استفہام میں داخل ہوا تو اس نے ہمزہ وصلی سے مستغنی کر دیا تو اس کو حذف کر دیا گیا۔ ہمزہ استفہام پر فتحہ یہ ہمزہ استفہام اور ہمزہ وصلی کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے۔ سورۂ مریم میں یہ بحث اطلع الغیب میں مفصل گزر چکی ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 570

اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ اس کلام کو مشرکوں کے اس قول کی طرف پھیرا جائے گا جو پہلے گزر چکا ہے۔ مشرکوں نے کہا تھا: کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو جنون کا مرض لاحق ہے۔ افتراء کا معنی بات کو گھڑنا ہے۔ اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ یا اس کو جنون ہے۔ وہ ایسی بات کرتا ہے جب کہ اس کو پتہ ہی نہیں۔ پھر ان کا رد کیا اور فرمایا: بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ یعنی یہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے کہا، بلکہ وہ تو سب سچوں سے سچا ہے۔

جو بعث کا انکار کرتا ہے تو وہ کل عذاب میں ہوگا آج وہ صحیح راستہ سے گمراہ ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز قرار دینے اور افترا کی نسبت اسی ذات کی طرف کرنے والا ہو گیا ہے جس کی تائید اللہ تعالیٰ نے معجزات سے کی ہے۔

اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰى مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۟

"کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے اور اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انہیں زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے درحقیقت اس میں (کھلی) نشانی ہے ہر اس بندے کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا کہ وہ ذات پاک جو آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ دوبارہ اٹھانے اور انہیں جلد سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ اپنی اس قدرت کے ساتھ ان پر استدلال کیا اور یہ بتایا کہ آسمان اور زمین اس کی ملک ہیں یہ دونوں ان کو ہر جانب سے گھیرے ہوئے ہیں تو وہ زمین میں دھنسائے جانے اور آسمان کا ٹکڑا گرائے جانے سے کیسے امن میں ہیں؟ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قارون اور اصحاب ایکہ کے ساتھ کیا۔ حمزہ اور کسائی نے ان یشاء یخسف بهم الارض او یسقط میں تینوں فعل یاء کے ساتھ پڑھے ہیں، یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے تو زمین ان کو دھنسا دے، آسمان کو حکم دے تو آسمان ان پر ٹکڑا گرا دے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ قراءت کی ہے یہ بطور تعظیم ہے۔ سلمی اور حفص نے کسفا سین کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی وضاحت سورۃ الاسراء اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وہ جو ہم نے اپنی قدرت میں سے ذکر کیا ہے اس میں واضح دلالت ہے۔ لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ہر ایسے بندے کے لیے جو توبہ کرنے والا ہو اور اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ منیب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کے دلائل اور آیات میں غور و فکر کے ساتھ نفع اٹھانے والا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۟ۙ

"بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے بڑی فضیلت بخشی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا نیز لوہے کو اس کے لیے نرم کر دیا"۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکروں کے لیے اس امر کو بیان کیا کہ رسولوں کو بھیجنا کوئی نیا امر نہیں بلکہ ہم نے رسولوں کو مبعوث کیا اور معجزات کے ساتھ ان کی تائید کی اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی ہم نے ان پر عذاب کو نازل فرمادیا۔ آتینا فضلا ہم نے انہیں ایسا امر عطا کیا جس کے ذریعے ہم نے اسے دوسرے لوگوں پر فضیلت دی۔ اس فعل میں اختلاف ہے جس کے بارے میں نو قول ہیں: (۱) نبوت (۲) زبور (۳) علم، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا** (النمل: 15) (۴) قوت، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ** (ص: 17) (۵) پہاڑوں اور لوگوں کو مسخر کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ** (سبا: 10) (۶) توبہ، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ** (ص: 25) (۷) عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ** (ص: 26) (۸) لوہے کو نرم کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝** (سبا) (۹) حسن صوت، حضرت داؤد علیہ السلام اچھی آواز والے اور خوبصورت چہرے والے تھے۔ اچھی آواز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہبہ اور اس کی طرف سے فضل و احسان تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ** (فاطر: 1) سے یہی مراد ہے جس کی وضاحت ان شاء اللہ آئے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لقد أوتیت مزمارا من مزامیر آل داود (1) تجھے آل داؤد کے مزامیر میں سے مزمار عطا کیا گیا ہے۔ علماء نے کہا: مزمار اور مزمور سے مراد اچھی آواز ہے اسی وجہ سے موسیقی کے آلات کو مزمار کہتے ہیں۔ مختلف شہروں کے کثیر فقہاء نے تزیین کے ساتھ اور بار بار پڑھنے کو اچھا خیال کیا ہے۔ یہ بحث کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ ہم نے کہا: اے پہاڑو! تم بھی اس کے ساتھ تسبیح بیان کرو (2)، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۝** (ص) ابومیسرہ نے کہا: حبشیوں کی زبان میں اس کا معنی تسبیح کرنا ہے۔ پہاڑوں کی تسبیح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تسبیح پیدا کردی جس طرح درخت میں کلام پیدا کردی۔ اس سے بھی وہی چیز سنی جاتی ہے جو تسبیح کرنے والے سے سنی جاتی ہے۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے معجزہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس کے ساتھ چلو جہاں وہ چاہے۔ یہ اس تاویب سے ماخوذ ہے جس سے مراد سارا دن چلنا ہے اور رات کے وقت پڑاؤ ڈالنا ہے۔ ابن مقبل نے کہا:

لَحِقنا بحيٍّ أوبوا السير بعدما دفعنا شُعاع الشمس والطرف يجنح (3)

ہم ایسے قبیلہ کو جالاحق ہوئے جو سارا دن چلتا رہا بعد اس کے سورج کی شعاعیں ہمیں دھکیل رہی تھیں اور آنکھ جھک رہی تھی۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء نے پڑھا: **اُوْبِیْ مَعَهٗ** یعنی اس کے ساتھ تسبیح کو دہراؤ۔ یہ آب یئوب، أوبا، أوبة، إیابا سے مشتق ہے۔ جب وہ لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت داؤد علیہ السلام دن کے وقت جو کام کرتے تھے تم

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، حسن الصوت بقراءۃ القرآن، جلد 2، صفحہ 755

2۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 232

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 407

بھی اس کے ساتھ وہی کرو۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام زبور کو پڑھتے تو پہاڑ بھی اس کے ساتھ آواز نکالتے اور پرندے توجہ سے سنتے گویا انہوں نے وہی کیا جو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا۔ وہب بن منبہ نے کہا: معنی ہے تم بھی اس کے ساتھ آہ و زاری کرو اور پرندے بھی اس امر پر اس کی مدد کریں (1)۔

حضرت داؤد علیہ السلام جب آہ وزاری کرتے تو پہاڑ اس کی صدا پر آپ کو جواب دیتے اور پرندے اس کے اوپر ٹھہر جاتے۔ پہاڑوں سے صدائے بازگشت جسے لوگ سنتے ہیں وہ اس دن سے آج تک قائم ہے۔ پہاڑوں اور پرندوں کی مدد کے ساتھ ان کی تائید کی گئی تا کہ آپ اس بارے میں کوئی ضعف نہ پائیں۔ جب ضعف پیدا ہوتا آپ میں جوش پیدا ہوتا اور آپ حرکت کرتے اور پہاڑوں اور پرندوں کے وسیلہ سے قوت حاصل کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسی آواز دی گئی تھی کہ آپ کی اچھی آواز کی وجہ سے پہاڑوں کے وحشی جانور بھیڑ کر لیتے۔ جاری پانی آپ کی آواز پر چلنا رک جاتا۔ والطیر رفع کے ساتھ؛ یہ ابن ابی اسحاق، نصر کی عاصم سے، ابن ہرمز اور مسلمہ بن عبدالملک کی قراءت ہے۔ اس کا عطف الجبال کے لفظ پر ہے۔ یا اَوِّبِیْ میں جو ضمیر ہے اس پر اس کا عطف ہے۔ مع کے ساتھ فصل نے اسے حسین بنا دیا ہے۔ باقی قراء نے اسے نصب کے ساتھ پڑھا ہے یہ یا جبال کے محل پر معطوف ہے، یعنی ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو ندا کی؛ یہ سیبویہ کا قول ہے۔ ابو عمرو بن علاء کے نزدیک فعل کے مضمر ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی سخرنالہ الطیر (2)۔ کسائی نے کہا: یہ معطوف ہے تقدیر کلام یہ ہے وآتیناہ الطیر بہ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا پر محمول ہوگا۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول معہ ہو تقدیر کلام یہ ہو ومع الطیر۔

وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لوہا آپ کے لیے موم کی طرح ہو گیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ گوندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو گیا (3)۔ حضرت داؤد علیہ السلام آگ کے بغیر اس سے چیز بناتے تھے۔ سدی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا تر مٹی، گوندھے ہوئے آٹے اور موم کی طرح ہو گیا۔ وہ جیسے چاہتے اس کو استعمال کرتے۔ نہ آگ میں داخل کرتے اور نہ ہتھوڑا مارتے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ آپ دن کے کچھ حصہ میں یا رات کے کچھ حصہ میں زرہ سے فارغ ہو جاتے تھے۔ اس زرہ کی قیمت ایک ہزار درہم ہوتی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی قوت عطا کی تھی جس کے ساتھ وہ لوہے کو دوہرا کر لیتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو آپ ایک فرشتہ سے ملے حضرت داؤد علیہ السلام اسے ایک انسان گمان کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا بھیس بدلا ہوا تھا آپ اس لیے نکلے تھے تا کہ اپنے بارے اور اپنی سیرت کے بارے میں خفیہ طریقہ سے بنی اسرائیل میں معلومات حاصل کریں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے پوچھا جو انسان کی شکل میں ان کے سامنے آیا تھا: اس داؤد بادشاہ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ فرشتے نے آپ سے کہا: وہ کتنا اچھا بندہ ہے اگر اس میں ایک بات نہ ہو۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 407
2۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 233
3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 316

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرشتے نے کہا: وہ بیت المال سے رزق حاصل کرتا ہے اگر وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتا تو اس کے فضائل مکمل ہو جاتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام واپس آئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ اسے کوئی ہنر سکھا دے اور اسے آپ پر آسان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہ بنانے کا ہنر عطا کر دیا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں فرمایا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہیں بنائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام رات اور دن کے درمیان ایک زرہ بنالیتے جو ایک ہزار درہم کے برابر ہوتی، یہاں تک کہ آپ کے پاس کثیر مال جمع ہو گیا اور گھر کی زندگی میں وسعت آگئی۔ آپ وہ مال فقراء اور مساکین پر صدقہ کیا کرتے تھے۔ آپ ایک تہائی مال مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا کرتے تھے۔ یہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے زرہ لی اور اسے بنایا۔ اس سے قبل چوڑے تختے استعمال کیے جاتے تھے۔ یہ قول کیا جاتا ہے: آپ ہر زرہ چار ہزار درہم میں بیچا کرتے تھے۔ درع کا لفظ جب جنگ کے لیے استعمال ہو تو یہ مونث ہوتا ہے اور عورت کی درع مذکر ہوتی ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ اہل فضل کو بھی ہنر سیکھنا چاہیے اور ہنر ان کے منصب میں کمی نہیں کرتا بلکہ یہ ان کے فضل اور فضائل میں زیادتی کا باعث ہوگا، کیونکہ اس طرح ان کی ذاتوں میں تواضع اور غیر سے استغناء حاصل ہوگا۔ حلال کمائی یہ احسان جتلانے سے خالی ہوتی ہے۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''انسان سب سے بہترین جو کھانا کھاتا ہے وہ اس کے ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے (1)، اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے''۔ سورۃ الانبیاء میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

''(اور حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور (اے آل داؤد) نیک کام کیا کرو بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں''۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ کھلی زرہیں یعنی کامل اور وسیع۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: سبغ الدرع والثوب وغیرھما جب زرہ کا کپڑا وغیرہ ہر اس چیز کو ڈھانپ لے جس پر وہ ہے اور اس سے کچھ بچ بھی جائے۔ **وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ** قتادہ نے کہا: زرہیں اس سے قبل تختے ہوتے تھے اور وہ سخت بھاری ہوتے، اسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ ایسی چیز بنائیں جو ہلکی اور حفاظت کرنے والی ہو، یعنی ایسی چیز بناؤ جو ان دونوں معنوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہو۔ صرف حفاظت کا قصد نہ کریں کہ وہ بوجھل ہو جائے اور نہ ہلکی کا ارادہ کریں کہ حفاظت نہ کر سکے۔ ابن زید نے کہا: جس اندازے کا آپ کو حکم دیا گیا وہ حلقہ کی مقدار میں تھا، یعنی اسے چھوٹا نہ بنا کہ وہ کمزور ہو اور زرہ دفاع پر قادر نہ ہو اور نہ اسے بڑا بنا کہ اس کے پہننے والے تک پہنچا جا سکے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس چیز کے اندازے کے بارے میں حکم دیا گیا وہ کیل تھے، یعنی زرہ کے کیل کو باریک نہ بنائیں کہ وہ اپنی جگہ سے ہل جائے اور نہ موٹا ہو کہ حلقہ کو توڑ دے۔ اسے یقصم روایت کیا گیا ہے اور فاء کے ساتھ

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، کسب الرجل وعملہ بیدہ، جلد 1، صفحہ 278

بھی روایت ہے۔

فِي السَّرْدِ، سرد سے مراد زرہ کے حلقہ کو بننا ہے، اسی وجہ سے زرہ کے حلقے بنانے والے کو سراد اور زراد کہتے ہیں سین کو زاء سے بدلا گیا ہے جس طرح کہا گیا ہے: سراط، زراط یہاں بھی سین کو زاء سے بدلا گیا ہے۔ سرد سے مراد ستالی سے سینا ہے۔ سَرَدَ يَسْرُدُ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ستالی سے سیئے۔ مسرد سے مراد ستالی ہے۔ سراد بھی کہتے ہیں۔ شماخ نے کہا:

فظلت تباعا خیلنا فی بیوتکم كما تابعت سرد العنان الخوارز

ہمارے گھوڑے تمہارے گھروں میں یوں پے در پے داخل ہوئے جس طرح گھونگے لگام کے رسی میں ہوتے ہیں۔

سراد سے مراد وہ تسمہ بھی ہے جس کے ساتھ سیا جاتا ہے۔ لبید نے کہا:

كما خرج السراد من النقال

جس طرح تسمہ پرانے موزے سے نکل جاتا ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد سرد الحديث والصوم۔ ان دونوں میں سرد سے مراد ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی انداز ے میں پے در پے لائے، اسی سے سرد الکلام ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح روانی سے کلام نہیں کرتے تھے آپ اس طرح بات کرتے اگر کوئی گننے والا الفاظ گننے کا ارادہ کرتا تو انہیں شمار کر لیتا۔ سیبویہ نے کہا: اسی سے رجل مَسْرَنْدَی ہے جس سے مراد جری آدمی ہے۔ کہا: کیونکہ وہ آگے ہی جاتا ہے۔ اس کی اصل سرد الدرع ہے اس کا معنی ہے کہ وہ زرہ کو مضبوط بنائے اور اس کے حلقوں کا نظم پے در پے کرے مختلف نہ بنائے۔ بعید نے کہا:

صنع الحديدَ مضاعفا أسرادُه لينال طول العيش غير مَرُومِ

اس نے لوہے کو بنایا کہ اس کی زرہیں تہہ در تہہ ہیں تا کہ ساری زندگی اسے پایا جائے کہ اس کا قصد نہ کیا گیا ہو۔

ابو ذؤیب نے کہا:

وعليهما مسرودتانِ قضاهما داودُ أو صَنَعُ السوابغِ تُبَّعُ(1)

دونوں پر ایسی زرہیں ہیں جن دونوں کو حضرت داؤد علیہ السلام نے بنایا یا تبع بادشاہ کی بنی ہوئی ہیں۔

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یعنی عمل صالح کرو۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے اہل کو خطاب ہے (2) جس طرح فرمایا: اعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (سبا: 13)

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ۝

2۔ زاد المسیر، جلد 6، صفحہ 234

"اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کے لیے ہوا اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور ہم نے جاری کر دیا ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ، اور کئی جن (ان کے تابع کر دیے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب"۔

وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ زجاج نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے وسخرنا لسلیمان الریح(1)۔ عاصم نے ابو بکر کی روایت میں یہ قراءت کی ہے **الرِّیْحُ** یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے(2)۔ اس کی تعبیر یوں ہوگی: ولسلیمان تسخیر الریح۔ لسلیمان بالاستقرار الریح یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا ٹھہری ہوئی ہے۔ اس میں بھی پہلے والا معنی ہے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے: جب تو کہے، أعطیت زیدا درھما ولعمرو دینار تو تو نے دینار کو رفع دیا تو اس میں پہلے جملے کا معنی موجود نہیں، یہ جائز ہے کہ تو نے اسے دینار عطا نہ کیا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معاملہ اسی طرح ہے لیکن آیت معنی کے اعتبار سے اس کے برعکس ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی نے بھی اسے مسخر نہیں کیا۔

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ یعنی ایک ماہ کی مسافت۔ حضرت حسن بصری نے کہا: آپ دمشق میں صبح کرتے اور اصطخر کے مقام پر قیلولہ کرتے (3)۔ دونوں شہروں کے درمیان تیز رفتار مسافر کے لیے ایک ماہ کی مسافت تھی پھر آپ پچھلے پہر اصطخر سے چلتے اور کابل میں رات گزارتے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان تیز رفتار مسافر کے لیے ایک ماہ کی مسافت تھی۔ سدی نے کہا: آپ ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے کرتے تھے۔ سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے تھے: حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیٹھتے تو آپ کے اردگرد چار سو کرسیاں لگا دی جاتیں پھر انسانوں میں سے رؤساء آپ کے قریب بیٹھتے اور چھوٹے درجے کے لوگ ان کے ساتھ بیٹھتے اور جنوں کے سردار چھوٹے درجے کے لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اور چھوٹے درجے کے جن ان کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ہر کرسی کے پاس ایک پرندہ مقرر تھا جس کے ذمہ ایسا کام ہوتا جس کو وہ پہچانتا تھا۔ پھر ہوا انہیں اٹھا لیتی اور پرندے سورج کی شعاعوں سے انہیں سایہ دیے رہتے ہوتے۔ آپ صبح کو بیت المقدس سے اصطخر سفر کرتے اور بیت المقدس میں رات گزارا کرتے۔ پھر حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تلاوت کی۔ **غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ** وہب بن منبہ نے کہا: میرے لیے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دجلہ کے کنارے ایک منزل ہے جس میں لکھا ہوا ہے: جسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک ساتھی نے لکھا ہے وہ جنوں سے تھا یا انسانوں میں سے تھا: "ہم یہاں اترے ہم نے اس کو نہیں بنایا ہم نے اس کو بنا ہوا پایا ہم اصطخر سے صبح کے وقت چلے ہم نے یہاں قیلولہ کیا ہم یہاں سے پچھلے پہر کوچ کرنے والے ہیں ان شاء اللہ اور شام میں رات گزاریں گے"۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں نے مشغول کر دیا یہاں تک کہ ان کی عصر کی نماز فوت ہوگئی۔ آپ نے گھوڑوں کی گردنیں اڑا دیں اللہ تعالیٰ نے آپ

1۔ زاد المسیر، جزء 6، صفحہ 234 | 2۔ ایضاً | 3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 317

کو اس کا بدل عطا فرمایا جوان گھوڑوں سے بہتر اور زیادہ تیز رفتار ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہوا اس کا بدل عطا فرمایا جو آپ کے حکم سے چلتی ہے جہاں آپ چاہتے ہیں۔ آپ کا پہلے پہر کا سفر ایک ماہ کی مسافت کا ہوتا ہے اور پچھلے پہر کا سفر ایک ماہ کی مسافت کا ہوتا ہے۔

ابن زید نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کا مستقر قدم شہر میں تھا۔ آپ نے شام سے عراق کی طرف روانہ ہونے سے قبل شیاطین کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کے لیے چوڑے باریک پتھروں اور سفید و زرد سنگ مرمر سے آپ کے لیے قیام گاہ بنا دی۔ اس کے متعلق نابغہ کہتا ہے:

إلّا سليمانَ إذ قال الإلَه له   قُمْ في البريّة فاحدُدْها عن الفَنَد
وَخَيِّس الجن إني قد أذنت لهم   يبنون تَدْمر بالصُّفّاح والعَمَد
فمن أطاعك فانفعه بطاعته   كما أطاعك وأدْلُله على الرشد
ومن عصاك فعاقبه معاقبةً   تَنْهَى الظَّلومَ ولا تَقْعُد على ضَمَد

مگر سلیمان جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: مخلوق میں کھڑے ہو جاؤ اور اسے گناہ سے روکو، جنوں کو اپنا مطیع بناؤ میں نے انہیں حکم دے دیا ہے وہ تدمر کو بڑے چوڑے پتھروں سے بنائیں گے۔ جو تیری اطاعت کرے اس کو طاعت پر نفع دیجئے جس طرح اس نے تیری اطاعت کی اور ہدایت پر اس کی رہنمائی کیجئے۔ جو تیری نافرمانی کرے تو اس کو سزا دیجئے جو ظالم کو روک دے اور کینہ پر قائم نہ رہے۔

میں نے ان شعروں کو یشکر کے علاقہ میں ایک چٹان میں کندہ دیکھا جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کسی ساتھی نے کہا تھا:

ونحن ولاحولٌ سوى حول ربّنا   نروح إلى الأوطان من أرض تَدْمُرِ
إذا نحن رُحْنا كان رَيْثُ رواحِنا   مسيرةَ شهرٍ والغُدُوُّ لآخَرِ
أناسٌ شَرَوا لله طَوْعًا نفوسَهم   بنصر ابن داوُدَ النبيِّ المطهَّر
لهم في معالي الدِّين فضلٌ ورفعة   وان نُسِبُوا يومًا فمن خير مَعْشَرِ
متى يركبوا الريح المطيعةَ أسرعتْ   مبادِرةً عن شَهْرِها لم تُقَصِّرِ
تظلّهُم طيرٌ صفوفٌ عليهمُ   متى رَفْرَفَتْ من فوقهم لم تُنَفَّرِ

ہمارے رب کی طاقت کے سوا کوئی طاقت نہیں ہم تدمر کے علاقہ سے پچھلے پہر وطن کی طرف روانہ ہوتے ہیں جب ہم چلتے ہیں تو ہمارے آرام کا وقفہ ایک ماہ کی مسافت ہوا کرتی ہے اور اگلی صبح کسی اور جگہ کے لیے ہوتی ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خوشی خوشی اپنے نفوس اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچ دیئے ہیں ان کا مقصود حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے جو نبی مطہر ہیں کی مدد کرنا ہے۔

1۔ ... جلد 4، صفحہ 318

ان لوگوں کی دین کے امور میں فضیلت اور رفعت ہے۔ اگر کسی روز ان کے نسب کا ذکر کیا جائے تو یہ بہترین خاندان کے لوگ ہیں جب وہ مطیع ہوا پر سوار ہوتے ہیں تو وہ جلدی کرتی ہے وہ ایک ماہ کی مسافت تیزی سے طے کرتی ہے۔ وہ کوتاہی نہیں کرتی۔ ان پر پرندے صفیں بنا کر ان پر سایہ کرتے ہیں جب وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں تو ایک سے جدا نہیں ہوتی۔

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ، قطر سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: تین دن کی مسافت سے وہ آپ پر یوں بہتا جس طرح پانی بہتا ہے۔ وہ یمن کے علاقہ میں تھا(1)۔ روایت بیان کی گئی ہے: آپ سے قبل تانبا نہ بہا، وہ نہیں بہتا تھا۔ آپ کے زمانے سے بہا۔ لوگ آج بھی اسی تانبا سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکالا تھا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ جاری کر دیا جس مقصد کے لیے چاہتے اسے استعمال فرماتے۔ عکرمہ سے پوچھا گیا: وہ کہاں تک بہا؟ جواب دیا: میں نہیں جانتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے تانبے کا چشمہ تین دن اور تین رات بہتا رہا۔ قشیری نے کہا: تین دن تک چشمہ کے بارے میں پتہ نہیں کہ اس کی حد کیا ہے؟ ممکن ہے یہ ناقل کا وہم ہو۔ کیونکہ مجاہد سے مروی ہے: یہ چشمہ صنعاء سے تین دن کی مسافت سے بہا، یہ جگہ کی طرف اشارہ کرتا ہے مدت کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ ظاہر یہ ہے کہ تانبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اپنی کان میں بہا وہ اس طرح بہتا تھا جس طرح پانی کا چشمہ بہتا تھا۔ یہ آپ کی نبوت پر دلالت تھی۔ خلیل نے کہا: قطر سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی دلیل اس کی قراءت ہے جس نے قراءت کی من قطرٍ آنٍ۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ، اذن سے مراد امر ہے۔ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا جو حضرت سلیمان کی طاعت سے سرتابی کرتا جن امور میں ہم نے اسے حکم دیا۔ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ہم اسے آخرت میں بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے؛ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ایسا فرشتہ مقرر کر دیا ہے جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا ہے تو وہ فرشتہ اسے اس کوڑے کے ساتھ ضرب لگاتا ہے جسے وہ دیکھتا نہیں تو وہ کوڑا اسے جلا دیتا ہے۔ من محل نصب میں ہے۔ معنی ہے ہم نے جنوں کو آپ کے لیے مسخر کر دیا ہے جو آپ کا کام کرتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو، جس طرح الریح کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

”وہ بناتے آپ کے لیے جو آپ چاہتے پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتی ہیں، اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو اور بہت کم ہیں میرے بندوں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 437

میں سے جو شکر گزار ہیں"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ لغت میں محراب سے مراد ہر بلند جگہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس میں نماز پڑھی جائے وہ محراب ہے، کیونکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو بلند کیا جائے اور اس کی تعظیم بجالائی جائے۔ ضحاک نے کہا: مِنْ مَّحَارِيْبَ سے مراد ہے مساجد (1)۔ قتادہ نے بھی یہی کہا ہے۔ مجاہد نے کہا: محاریب یہ محلات سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: محراب سے مراد گھر کا سب سے اچھا کمرہ ہے (2)۔

شاعر نے کہا:

وما ذا عليه أن ذكرتُ أوانسًا كغزلان رَمْلٍ في محاريبِ أقيالِ

شعر میں محاریب اقیال سے مراد بادشاہوں کی بہترین خواب گاہیں ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کی طرف سیڑھیوں کے ذریعے بلند ہوا جاتا ہے جس طرح اچھا بالا خانہ، جس طرح فرمایا: اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ۞ (ص) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ (مریم: 11) یعنی ان پر جھانکے۔ حدیث میں آتا ہے: "ان کو حکم دیا گیا کہ اپنی کرسی کے اردگرد ہزار عبادت گاہیں بنوائیں جن میں ہزار آدمی ہوں جن پر ٹاٹ کا لباس ہو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لگاتار آہ وزاری کرتے رہیں۔ آپ اپنے خیمہ میں کرسی پر ہوتے عبادت گاہیں آپ کے اردگرد ہوتیں جب آپ سوار ہوتے تو آپ اپنے لشکروں کو فرماتے: فلاں جگہ تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو جب وہ اس جگہ تک پہنچتے تو فرماتے: فلاں نشان تک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو۔ جب وہ اس جگہ تک پہنچتے تو فرماتے: فلاں نشان تک اللہ اکبر کہو، تمام لشکر اس طرح ایک ہی لے میں تسبیح وتہلیل کرتا رہتا"۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَتَمَاثِيْلَ یہ تمثال کی جمع ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو کسی صورت کی مثل بنایا جائے وہ حیوان ہو یا حیوان کے علاوہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: شیشے، تانبے اور سنگ مرمر سے ایسی چیزوں کے مجسمے بنائے جاتے جو حیوان نہ ہوتے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا: یہ انبیاء اور علماء کی تصاویر ہوتیں، عبادت گاہوں میں انہیں بنایا جاتا تا کہ لوگ انہیں دیکھیں تو وہ زیادہ عبادت کریں اور کوشش کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا جب ان میں کوئی صالح آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر وہ مسجد بنا دیتے اور اس میں صورتیں بنا دیتے تا کہ ان کی عبادت کو یاد کریں اور عبادت میں کوشش کریں" (3)۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تصویر اس زمانہ میں مباح تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے اس اباحت کو منسوخ کر دیا۔ سورۂ نوح میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تماثیل سے مراد طلسمات تھے جن پر وہ عمل کیا کرتے تھے وہ اس چیز پر جس کی تصویر بناتے اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 409
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 438
3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، النھی عن بناء المساجد علی القبور، جلد 1، صفحہ 201

امر کو حرام کر دیتے کہ وہ اس سے تجاوز کریں تو وہ اس سے آگے تجاوز نہ کرتے وہ مکھی، مچھر اور مگرمچھ کے لیے ایک مکان میں تمثال بناتے اور انہیں حکم دیتے کہ وہ اس سے آگے تجاوز نہ کریں تو کوئی ایک بھی اس سے تجاوز نہ کرتا جب تک وہ تمثال وہاں موجود ہوتا۔ تماثیل کی واحد تمثال ہے جو تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ کہا:

ویارُبَّ یومٍ قد لهَوْتُ ولیلةٍ بآنسة کأنها خط تمثال

کتنے ہی دن اور راتیں ہیں جن کو میں نے آنسہ کے ساتھ لہو ولعب میں گزرا گویا وہ تمثال کا خط ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تماثیل مرد تھے جن کو اس نے تانبے سے بنایا تھا اور اپنے رب سے سوال کیا تھا کہ ان میں روح پھونک دے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں اور ان میں اسلحہ اثر نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسفندیار بھی ان میں سے ایک تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دو شیر بنائے اور کرسی پر دو گدھ بنائیں۔ جب آپ کرسی پر بیٹھنے کے لیے اوپر چڑھتے تو دونوں گدھ اپنے بازو بچھا دیتے اور جب آپ بیٹھ جاتے تو دونوں گدھ اپنے پر کھول دیتے۔

مسئلہ نمبر3۔ مکی نے اپنے "ہدایہ" میں یہ بیان کیا ہے: ایک جماعت تصویر کو جائز قرار دیتی ہے اور اس آیت سے استدلال کرتی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ غلط ہے میں نے علم کے ائمہ میں سے کسی سے یہ یاد نہیں کیا جو اس امر کو جائز قرار دیتا ہو۔

میں کہتا ہوں: مکی نے جو حکایت کی ہے اس سے پہلے نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: ایک قوم نے کہا: اس آیت کی وجہ سے تصویر بنانا جائز ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بتایا ہے۔ ایک قوم نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں نہی ثابت ہے جو آدمی اس پر عمل کرے یا اس کو بنائے اس کے لیے وعید ثابت ہے۔ جو امر پہلے مباح تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے جب کہ تصویروں کی عبادت کی جاتی تھی، زیادہ مناسب ان کو زائل کرنا ہی ہے۔

مسئلہ نمبر4۔ تمثال کی دو قسمیں ہیں: حیوان (ذی روح) اور موات (غیر ذی روح) موات کی دو قسمیں ہیں۔ جمادات، نامی (نمو پانے والے جیسے درخت) جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان سب کے نشان بناتے تھے۔ کیونکہ ارشاد عام ہے۔ اسرائیلیات میں ہے کہ پرندوں کے مجسمے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر تھے۔ اگر یہ کہا جائے: وَتَمَاثِيْلَ میں کوئی عموم نہیں، کیونکہ یہ نکرہ ہے اور کلام مثبت میں ہے۔ نکرہ جب مثبت کلام میں ہو تو اس میں عموم نہیں ہوتا۔ عموم اس وقت ہوتا ہے جب نکرہ منفی کلام میں ہو۔ ہم کہتے ہیں: بات اسی طرح ہے مگر نکرہ میں اس اثبات کے ساتھ ایسی چیز مل گئی ہے جو عموم پر عمل کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا يَشَآءُ اس کے ساتھ مشیت کا ملنا اس کے عموم کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: وہ صورتیں جن سے منع کیا گیا تھا ان کو آپ نے کیسے جائز قرار دیا؟ ہم کہیں گے: یہ ان کی شریعت میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں یہ منسوخ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ابو العالیہ سے مروی ہے اس وقت تصویر بنانا حرام نہیں تھا۔

مسئلہ نمبر5۔ احادیث کا مقتضی یہ ہے کہ تصویریں ممنوع ہیں پھر یہ حدیث آئی الا ما جاء رقما فی ثوب مرقوم

کپڑے میں نقش ہو۔ تمام تصویروں سے اسے خاص کر دیا پھر اس میں کراہیت ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: ''اس کو مجھ سے دور کر دو کیونکہ میں نے اسے جب بھی دیکھا تو مجھے دنیا یاد آ گئی'' (1)۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کپڑے کو پھاڑ دینا جس میں تصاویر تھیں جو حضرت عائشہ صدیقہ پر تھا یہ اس سے روکنا ہے۔ پھر اسے دو تکیوں کی صورت میں کاٹنا جس کے ساتھ صورت متغیر ہوگئی اور اپنی ہیئت سے خارج ہوگئی یہ جائز اس وقت ہے جب صورت متصل ہیئت میں نہ ہو اگر اس کی ہیئت متصل ہو تو پھر یہ جائز نہیں، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان تصویر والے تکیوں کے بارے میں عرض کی: میں نے یہ آپ کے لیے خریدے ہیں تاکہ آپ ان پر بیٹھیں اور ان کو تکیہ بنائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور اس پر وعید بتائی۔ تصویروں کی طرف نماز پڑھنے والی حدیث سے یہ واضح ہوا کہ کپڑے میں نقش تصویر جائز ہے پھر اس سے منع نے اسے منسوخ کر دیا۔ اور امر اس پر قرار پذیر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے: ہمارا ایک پردہ تھا جس میں پرندے کی تصویر تھی۔ گھر میں داخل ہونے والا جب داخل ہوتا تو یہ تصویر اس کے سامنے ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کو اس جگہ سے ہٹا دو کیونکہ میں جب اندر داخل ہوتا ہوں تو اسے دیکھتا ہوں تو میں دنیا کو یاد کرتا ہوں'' (2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمارا ایک کپڑا تھا ہم کہا کرتے تھے اس پر ریشم کی تصویر ہے ہم اسے پہنا کرتے تھے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے جب کہ میں نے ایک باریک کپڑے سے پردہ کیا ہوا تھا جس میں تصویر تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا آپ نے اس کپڑے کو لیا اور اسے پھاڑا پھر فرمایا: ''قیامت کے روز جن لوگوں کو شدید ترین عذاب دیا جائے گا وہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت کی کوشش کرتے ہیں'' (3)۔

ان سے یہ بھی مروی ہے: ان کا ایک کپڑا تھا جس میں تصاویر تھیں جو طاق تک لٹکا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے فرمایا: ''اسے مجھ سے دور کر دو'' (4)۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں نے اسے وہاں سے ہٹا دیا اور میں نے اس سے دو تکیے بنا دیئے۔ بعض علماء نے کہا: یہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کپڑا پھاڑا اور اس کپڑے کو ہٹانے کا جو حکم دیا وہ تقویٰ کی بنا پر ہو، کیونکہ نبوت اور رسالت کا محل کمال ہے۔ اس میں غور و فکر کر لو۔

مسئلہ نمبر 7۔ مزنی نے امام شافعی سے روایت نقل کی ہے: اگر کسی آدمی کو شادی پر دعوت دی جائے وہ ذی روح تصویر یا تصاویر دیکھتا ہے اگر وہ کسی جگہ نصب ہیں تو وہاں داخل نہ ہو۔ اگر ان پر قدم رکھے جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ درختوں کی تصاویر ہوں۔ علماء نے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا کہ وہ پردے جو لٹکے ہوئے ہوں ان میں تصاویر مکروہ ہیں حرام نہیں۔ اس طرح ان تصاویر کی حیثیت ہے جو کسی عمارت میں کندہ کی گئی ہوں یا نقش بنائے گئے ہوں۔ بعض نے ان تصاویر کو مستثنیٰ کیا ہے جو کپڑے میں نقش ہوں کیونکہ حضرت سہل بن حنیف کی حدیث ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1602
2۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 2، صفحہ 200
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1601
4۔ ایضاً

میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ نے تصویریں بنانے والے پر لعنت کی اور کوئی استثناء نہیں کی۔ حضور ﷺ کا ارشاد کہ ''تصویر بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو'' (1)۔ اور کوئی استثناء نہیں کی۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ''قیامت کے روز جہنم سے ایک گردن ظاہر ہوگی جس کی دو آنکھیں ہوں گی، وہ دونوں دیکھیں گی، ان کے دو کان ہوں گے جو سنیں گے اور ایک زبان ہوگی جو بولے گی وہ کہے گی: مجھے تین قسم کے افراد پر ذمہ داری سونپی گئی ہے (۱) ہر عناد رکھنے والے جبار پر (۲) جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کی (۳) تصویریں بنانے والے (2)۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز جن کو سب سے سخت عذاب دیا جائے گا وہ مصور ہوں گے''۔ یہ تصویر بنانے سے منع پر دال ہے تصویر کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا** (النمل: 60) جس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اس کو ذہن نشین کرلو۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس باب سے بچیوں کی گڑیاں مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جب کہ ان کی عمر سات سال تھی۔ انہیں اپنے حرم میں داخل کیا جب کہ ان کی عمر نو سال تھی جب کہ ان کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں۔ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا جب کہ ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی میری سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب نبی کریم ﷺ تشریف لاتے تو وہ آپ سے چھپ جاتیں آپ انہیں میرے پاس بھیج دیتے تو وہ لڑکیاں میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ امام مسلم نے ان دونوں روایات کو نقل کیا ہے۔

علماء نے کہا: یہ ضرورت کی بنا پر تھا اور بچیوں کو بھی ان کی ضرورت تھی تا کہ انہیں اپنے بچوں کی تربیت کا تجربہ ہو جائے۔ پھر ان چیزوں کی کوئی بقا نہیں ہوتی۔ اس طرح حلوہ اور گوندھے ہوئے آٹے سے جو چیز بنائی جاتی ہے وہ بھی باقی رہنے والی نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے اس میں رخصت دی گئی۔

وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ ابن عرفہ نے کہا: جوابی یہ جابیہ کی جمع ہے۔ یہ حوض کی طرح گڑھا ہوتا ہے۔ کہا: جس طرح زمین کے حوض ہوتے ہیں۔ ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: کالجوبة من الارض (3) معنی قریب قریب ہے۔ ایک لگن پر ہزار ہزار آدمی بیٹھتا۔ نحاس نے کہا: **وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ** صحیح تر یہ ہے کہ یہ یاء کے ساتھ ہو۔ جس نے یاء کو حذف کیا ہے اس نے کہا: الف لام کا طریقہ یہ ہے کہ نکرہ پر داخل ہو اور اس کو اس کی حالت سے تبدیل نہ کرے۔ جب جواب کہا جاتا ہے اور اس پر الف لام داخل ہوا تو اسے اپنی حالت پر رکھا تو یاء کو حذف کر دیا گیا۔ جوابی کا واحد جابیہ ہے۔ اس سے مراد

1۔ صحیح بخاری، عذاب المصورین یوم القیمة، جلد 2، صفحہ 880

2۔ جامع ترمذی، باب صفة الجهنم، جلد 2، صفحہ 81۔ ایضاً، حدیث نمبر 2497، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1602

عظیم ہانڈی ہے اور ایسا بڑا حوض جس میں کسی شے کو جمع کیا جاتا ہے۔ اسی سے جبیت الخراج اور جبیت الجراد ہے، یعنی میں نے چادر کو پھیلایا اور اس میں مکڑیوں کو جمع کیا مگر لیث نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہا: الجوابی یہ جوبہ کی جمع ہے، جوبہ سے مراد بڑا گڑھا ہے جو پہاڑ میں ہوتا ہے جس میں بارش کا پانی ہوتا ہے۔ کسائی نے کہا: جبوت الماء فی الحوض و جبیتہ یعنی میں نے اسے جمع کیا۔ جابیہ ایسے حوض کو کہتے ہیں جس میں اونٹوں کے لیے پانی کو جمع کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تروح علی آل المُحلَّقِ جَفْنَة كجابیه الشیخ العراق تَفهَقُ

تو آل محلق پر پیالہ گھماتا ہے جس طرح شیخ عراقی کا حوض چھلک رہا ہے۔

اسے جابیۃ السیح بھی روایت کیا گیا ہے۔ سیح سے مراد روئے زمین پر ظاہر پانی ہے۔

وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ سعید بن جبیر نے کہا: یہ تانبے کی ہانڈیاں ہیں جو ایران کے علاقہ میں ہوتی ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ ایسی ہانڈیاں ہیں جو پہاڑوں سے بنائی جاتی ہیں۔ ایسے پہاڑ جن کے پتھر پیوست ہوتے ہیں ان میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا ان کو تراشا گیا یہ شیاطین نے آپ کے لیے کام کیا تھا۔ ان کے چولہے بھی اسی طرح پہاڑوں سے بنائے جاتے تھے۔ راسیات کا معنی جمی ہوئی۔ نہ انہیں اٹھایا جاتا ہے اور نہ انہیں حرکت دی جاتی ہے کیونکہ وہ بڑی عظیم ہوتی ہیں۔ ابن عربی نے کہا: عبداللہ بن جدعان کی ہانڈیاں بھی اسی طرح کی تھیں اور جاہلیت میں سیڑھی لگا کر ان کی طرف چڑھا جاتا۔ اسی کے متعلق طرفہ بن عبد نے کہا:

كالجوابی لاتَنِی مُتْرَعَة لِقِرى الأضياف أو للمحتضِر(1)

ہانڈیاں جوابی (جوہڑوں) کی طرح چھلک رہی ہیں مہمانوں کی ضیافت کے لیے اور مقامی لوگوں کے لیے۔

ابن عربی نے کہا: میں نے حضرت ابو سعید کی خانقاہ میں اسی طرح کی صوفیوں کی ہانڈیاں دیکھی ہیں وہ سب پکاتے ہیں اور اکٹھے کھاتے ہیں ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں ہوتی۔

اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں شکر کا معنی گزر چکا ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے اور اس آیت کی تلاوت کی، پھر فرمایا: "تین چیزیں جس کو دی گئیں اس کو آل داؤد کی مثل دیا گیا" (2)۔ میں نے عرض کی: وہ تین چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: "خوشی اور ناراضگی میں عدل کرنا، فقر اور غنا میں میانہ روی اختیار کرنا مخفی اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا"۔

ترمذی حکیم ابو عبداللہ، عطا بن یسار سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں تیری نعمتوں پر تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ میرا الہام اور تیرے شکر پر میری قدرت یہ بھی تیری نعمت ہے۔ فرمایا: اے داؤد! اب تو نے پہچان لیا ہے۔ یہ بحث سورۂ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے اور اس کی طاعت میں اس کو استعمال کیا جائے اور ناشکری سے مراد اسے معصیت میں استعمال کرنا ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہوں گے جو ایسا کرتے ہیں، کیونکہ خیر شر سے قلیل ہے طاعت

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1602
2۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 811، حدیث نمبر 43224

معصیت سے قلیل ہے جس طرح پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے۔

مجاہد نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: اللہ تعالیٰ نے شکر کا ذکر کیا ہے تو میری جانب سے دن کی نماز کے لیے کافی ہو میں تیری جانب سے رات کی نماز کے لیے کافی ہو جاؤں گا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی: میں اس پر قادر نہیں۔ فرمایا: میرے لیے کافی ہو جا۔ فریابی نے کہا: میرا خیال ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ظہر کی نماز تک کے لیے کافی ہو جا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی: ہاں۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے لیے کافی ہو گئے۔

زہری نے کہا: اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا یعنی الحمد للہ کہو۔ شکر مفعول ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے، یعنی ایسا عمل کرو جو شکر ہو گویا نماز، روزے اور تمام عبادات فی نفسہا شکر ہے کیونکہ یہ شکر کے قائم مقام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی وضاحت کرتا ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ (ص: 24) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ سے یہی مراد ہے۔ سفیان بن عیینہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِن اشکرلی کی تاویل میں کہا: شکر سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم پھٹ جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مشقت کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں؟ فرمایا: ''کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں''۔ امام مسلم اس کو نقل کرنے میں منفرد ہیں۔ قرآن اور سنت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ شکر ابدان کے عمل سے ہوتا ہے صرف زبان کے عمل پر مقصود نہیں۔ افعال کے ساتھ شکر ارکان کا عمل ہے اور قول کے ساتھ شکر زبان کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ یہ احتمال موجود ہے کہ خطاب آل داؤد کو ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو۔ ابن عطیہ نے کہا: ہر صورت میں تنبیہ اور تحریض ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! مجھے قلیل میں سے بنا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کیسی دعا ہے؟ اس نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ارادہ کیا ہے: وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تمام لوگ مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود جو کھایا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو موٹے آٹے سے بنا کھانا کھلایا کرتے تھے اور مساکین کو باریک آٹے سے بنا کھانا کھلایا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ راکھ کھا لیا کرتے تھے اور اس پر لیٹ جاتے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ راکھ کھانا نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا آپ سے اس بارے میں عرض کی گئی تو فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں گا تو میں بھوکوں کو بھول جاؤں گا۔ یہ بھی شکر کی صورت ہے اور ان قلیل افراد میں سے ہونا ہے۔ اس میں غور و فکر کرو، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

”پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کی دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں“۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ جب ہم نے حضرت سلیمان علیہ اسلام پر موت کا فیصلہ کر دیا یہاں تک کہ موت ایسا امر ہو گیا جس سے فراغت ہو چکی ہوتی ہے اور اسی سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ منساۃ حبشہ کی زبان میں عصا کو کہتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ یمن کی لغت میں ہے؛ قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔ آپ اس طرح فوت ہو گئے اور آپ اسی طرح رہے کہ آپ کا حال مخفی رہا یہاں تک کہ مردہ کی حیثیت سے زمین پر گر گئے کیونکہ عصا ٹوٹ گیا تھا کیونکہ دیمک اسے کھا گئی تھی۔ اس طرح آپ کی موت کا علم ہوا۔ دیمک آپ کی موت پر دلالت کرنے والی تھی یعنی آپ کی موت کو ظاہر کرنے کا سبب تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ جن آپ کی موت سے آگاہ نہ ہوں یہاں تک کہ ان پر ایک سال گزر جائے۔ آپ نے یہ سوال کیوں کیا اس کے سبب میں دو قول ہیں: (۱) جو قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا ہے۔ کہا: جن علم غیب کا دعویٰ کرتے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا اور آپ کی موت ان پر مخفی ہو گئی۔

تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپ ایک سال تک کھڑے رہے اور جن آپ کے سامنے کام کرتے رہے یہاں تک کہ دیمک آپ کا عصا کھا گئی اور آپ گر گئے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ گر پڑے تو یہ معلوم نہ ہوا کہ آپ کب فوت ہوئے تو دیمک کو عصا پر چھوڑا گیا دیمک نے عصا کو دن رات کھایا۔ پھر انہوں نے حساب لگایا تو انہوں نے پایا کہ یہ ایک سال سے فوت ہو چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: جنوں کے سردار سات تھے۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اطاعت گزار تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام فوت ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو وصیت کی کہ وہ بیت المقدس کی مسجد کو مکمل کریں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو اس بارے میں حکم دیا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے اپنے اہل سے فرمایا: جنوں کو میری موت کی خبر نہ دینا یہاں تک کہ وہ مسجد کو مکمل کر لیں اس کے مکمل ہونے میں ایک سال لگنا تھا۔

حدیث میں یہ بھی ہے کہ ملک الموت آپ کے دوست تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے اپنی موت کے بارے میں پوچھا۔ ملک الموت نے کہا: تیرے سجدہ کی جگہ سے ایک درخت نکلے گا جسے خرنوبہ کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں صبح نہ کرتے مگر بیت المقدس میں ایک درخت اگتا حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے پوچھتے: تیرا نام کیا ہے؟ درخت کہتا: میرا نام یہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پوچھتے: تو کس کام کے لیے اگایا گیا ہے؟ وہ کہتا: فلاں فلاں

کام کے لیے۔ آپ اس کے بارے میں حکم دیتے اسے وہاں سے اکھیڑ لیا جاتا اور اپنے باغ میں لگا دیتے اور آپ اس درخت کے منافع، نقصانات اس کا نام اور طب میں جس مقصد کے لیے وہ ہوتا لکھ لینے کا حکم دیتے۔ اس اثنا میں کہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے ایک درخت کو دیکھا جو آپ کے سامنے اگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کی خرنوبہ۔ پوچھا: تو کس شے کے لیے اگایا گیا ہے؟ اس نے کہا: اس مسجد کو برباد کرنے کے لیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ اسے برباد کرے جب کہ میں زندہ ہوں تو ہی وہ درخت ہے تیرے سامنے میری ہلاکت ہوگی اور بیت المقدس کی ہلاکت ہوگی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے وہاں سے اکھاڑا اور اسے اپنے باغ میں لگا دیا پھر فرمایا: اے اللہ! جنوں سے میری موت کو چھپائے رکھنا یہاں تک کہ لوگ جان لیں کہ جن غیب نہیں جانتے۔ جن انسانوں کو بتایا کرتے کہ وہ غیب میں سے کچھ چیزوں کو جانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا۔ پھر اپنا کفن پہنا خوشبو لگائی اور نماز پڑھنے لگے اور اپنے تخت پر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ فوت ہو گئے اور جنوں کو علم نہ ہوا یہاں تک سال گزر گیا اور مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: اس آیت کے بارے میں جو قول کیا گیا ہے وہ سب سے بہترین ہے۔ اس کی صحت پر حدیث مرفوع دلالت کرتی ہے۔ ابراہیم بن طہمان، عطا بن سائب سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام جب نماز پڑھا کرتے تو اپنے سامنے ایک درخت اگتا ہوا دیکھتے آپ اس درخت سے پوچھتے: تیرا نام کیا ہے؟ اگر وہ کاشت کرنے کے لیے ہوتا تو آپ اسے کاشت کرتے اگر وہ کسی دوائی کے لیے ہوتا تو اسے لکھ لیا جاتا۔ اس اثنا میں کہ آپ ایک روز نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک درخت آپ کے سامنے اگتا ہے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: خرنوبہ۔ پوچھا: کس مقصد کے لیے تجھے اگایا گیا ہے؟ اس نے کہا: اس بیت کو برباد کرنے کے لیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے اللہ! جنوں سے میری موت کو پوشیدہ رکھنا تاکہ لوگ جان لیں کہ جن علم غیب نہیں جانتے۔ آپ نے وہاں عصا گاڑھ لیا اور اس پر ایک سال تک ٹیک لگائی وہ نہیں جانتے تھے کہ عصا گر گیا لوگوں کو علم ہو گیا کہ جن غیب نہیں جانتے انہوں نے اس کی مقدار میں غور و فکر کیا تو اسے ایک سال پایا'' (1)۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ہے۔ تبینت الانس ان لو کان الجن یعلمون الغیب یعقوب نے عیسیٰ کی قراءت میں تُبُیِّنَت الجن ہے یہ فعل مجہول ہے۔ نافع اور ابن عمر نے کہا: تا کل منساتہ سین اور تاء کے درمیان الف ہے ہمزہ نہیں ہے باقی قراء نے کہا: الف کی جگہ ہمزہ مفتوحہ ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ مگر ابن ذکوان نے تخفیف کے طریقہ پر ہمزہ کو ساکن کیا ہے۔

شاعر نے ہمزہ کو ترک کرتے ہوئے کہا:

إذا دَبَبْتَ على المِنْسَاةِ من كِبَرٍ فقد تباعد عنك اللَّهْوُ الغَزَلُ (2)

1۔ المستدرک للحاکم، جلد 4، صفحہ 446، حدیث نمبر 8222 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 441

جب تو بڑھاپے کی وجہ سے عصا پر رینگتا ہے تحقیق لہو اور عورتوں سے باتوں کا وقت تجھ سے دور چلا گیا۔

ایک اور شاعر نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے:

ضربنا بمِنسأة وجهه فصار بذاك مهينا ذليلا

ہم نے ڈنڈے کے ساتھ اس کے چہرے کو پیٹا تو اس کے ساتھ وہ ذلیل ورسوا ہو گیا۔

نحاس نے کہا: اس کا اشتقاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مہموز ہے کیونکہ یہ نسأته سے مشتق ہے میں نے اسے مؤخر کیا اور اسے دھکیلا۔ اسے منسأة اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ کسی چیز کو دھکیلا جاتا ہے اور اسے مؤخر کیا جاتا ہے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد عصا ہے۔ پھر قراءت کی منساة ہمزہ کو الف سے بدل دیا۔ اگر یہ قول کیا جائے: الف سے بدلنا بہت ہی قبیح ہے یہ شعر میں جائز ہے لیکن بعید اور شاذ ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے کہا: اس جیسے آدمی سے اس قسم کی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ خصوصاً اہل مدینہ کی یہ قراءت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب اس کلمہ میں بدل کو استعمال کرتے ہیں اور اسی طرح بولتے ہیں، جس طرح بدل اس کے علاوہ میں واقع ہوتا ہے۔ اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ ابو عمرو نے کہا: میں نہیں جانتا کہ یہ کس سے منقول ہے مگر یہ غیر مہموز ہے، کیونکہ جو مہموز ہوتا ہے بعض اوقات اس کا ہمزہ ترک کر دیا جاتا ہے مگر مہموز نہ ہو تو اس کو کسی صورت میں بھی ہمزہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔

مہدوی نے کہا: جس نے ہمزہ ساکنہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے تو وہ شاذ اور بعید ہے، کیونکہ تانیث کی ھا نہیں ہوگی مگر اس سے قبل حرف متحرک ہوتا ہے یا اس سے پہلے الف ہوتا ہے، لیکن یہ جائز ہے کہ استخفاف کے طریقہ پر مفتوح کو ساکن کیا گیا ہو۔ یہ جائز ہے کہ جس ہمزہ کو الف سے خلاف قیاس بدلا گیا ہو تو الف کو ہمزہ سے بدل دیا جائے جس طرح انہوں نے عالم اور خاتم میں بدلا ہے۔

سعید بن جبیر سے من اگ اور ساتہ مہموز اور تاء کے نیچے کسرہ کے ساتھ مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سئة القوس سے مشتق ہے یہ اس کی لغت میں ہے جس نے اسے ہمزہ دیا۔ رؤبہ سے سية القوس کو ہمزہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے جوہری نے کہا: سية القوس سے مراد وہ ہے جس کو اس کی دونوں طرفوں کی جانب سے موڑا گیا ہو۔ اس کی جمع سیات آتی ہے، ہاء واؤ کا عوض ہے۔ اس سے اسم منسوب سیوی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: رؤبہ سية القوس کو ہمزہ دیا کرتے تھے، باقی عرب اس کو ہمزہ نہیں دیا کرتے تھے۔ دَآبَّةُ الْاَرْضِ میں دو قول ہیں: (۱) اس سے مراد دیمک ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اسے دابة الارض راء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یہ ارضہ کی جمع ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے (۲) یہ ایسا کیڑا ہے جو لکڑی کو کھا جاتا ہے، جوہری نے کہا: الارضہ یہ چھوٹا سا کیڑا ہے جو لکڑی کو کھا جاتا ہے یہ کہا جاتا ہے: ارضت الخشبة تورض ارضا فهي ماروضة جب اسے کھا جائے۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ جب حضرت سلیمان علیہ السلام گر گئے تو جنوں کو ان کی موت کا علم ہوا۔ دوسرے علماء نے کہا: جنوں کا امر ظاہر ہوا یعنی مضاف محذوف ہے جس طرح وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) اصل میں واسأل اهل القرية ہے۔

صحیح سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سال تک کھڑے رہے ان کی موت کا علم نہیں تھا۔ آپ اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جن ان امور میں مصروف تھے جس کا حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں حکم دیا تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام گرے تو لوگوں کو پتہ چلا اگر جن غیب جانتے تو وہ اس ذلیل کرنے والے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قراءت تفسیر کے طریقہ پر ہے۔

حدیث میں ہے: ''جنوں نے اس پر دیمک کا شکریہ ادا کیا وہ جہاں بھی ہوتی ہے وہ اس کے پاس پانی لے آتے ہیں''۔ سدی نے کہا: وہ مٹی بھی لاتے ہیں کیا تو اس مٹی کو نہیں دیکھتا جو لکڑی کے درمیان ہوتی ہے اسے شیاطین ہی لاتے ہیں وہ دیمک کے شکریہ کے طور پر لاتے ہیں۔ جنوں نے کہا: اگر طعام اور مشروب کھائے گی تو وہ دونوں چیزیں تیرے پاس لائیں گے۔ ان محل رفع میں ہے یہ الجن سے بدل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: جنوں کا امر ظاہر ہو گیا، مضاف کو حذف کیا یعنی انسانوں کے لیے معاملہ واضح اور ظاہر ہو گیا۔ اور ان پر جنوں کا امر منکشف ہو گیا کہ وہ غیب نہیں جانتے۔ یہ بدل اشتمال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو، لام محذوف ہے۔

لَبِثُوا وہ قائم رہے۔ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ سے مراد مسخر ہونا، بوجھ اٹھانا، عمارات تعمیر کرنا اور دوسرے معاملات۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ترپن سال زندہ رہے ان کی حکومت کا دورانیہ چالیس سال تھا۔ آپ اس وقت حاکم بنے جب آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ بیت المقدس کی تعمیر اس وقت شروع کی جب کہ ان کی عمر سترہ سال تھی۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر 67 سال تھی۔ آپ بادشاہ بنے جب کہ ان کی عمر سترہ سال تھی۔ آپ نے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی جب کہ ان کی عمر بیس سال تھی ان کی بادشاہت پچاس سال رہی۔ یہ حکایت کی گئی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی جب کہ ان کی حکومت کا چوتھا سال تھا۔ اس کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے بارہ ہزار بیل اور بیس ہزار بکریاں ذبح کیں۔ جس روز اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے اس کو عید کے طور پر منایا اور صخرہ پر آپ کھڑے ہوئے جب کہ دعا کے لیے اپنے ہاتھ اپنے رب کے حضور اٹھائے ہوئے تھے اور دعا کی: اللّٰھم انت وھبت لی ھذا السلطان وقویتنی علی بناء ھذا المسجد اللّٰھم فاوزعنی شکرك علی ما أنعمت علی و توفنی علی ملتك ولا تزغ قلبی بعد اذ هَدَيْتَنِيْ اللّٰھم إنی أسالك لمن دخل ھذا المسجد خمس خصال۔

اے اللہ! تو نے مجھے یہ حکومت عطا کی، تو نے اس مسجد کی تعمیر پر مجھے قوت عطا کی۔ اے اللہ! تو نے مجھ پر جو انعام کیا ہے اس پر شکر ادا کرنے کی مجھے توفیق عطا فرما، مجھے اپنے دین پر موت عطا کر، جب تو نے مجھے ہدایت کر دی ہے تو میرے دل کو نہ پھسلا، اے اللہ! میں تیری بارگاہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اسے پانچ چیزیں عطا فرما جو بھی اس میں داخل ہو۔

کوئی گناہگار اس میں داخل نہ ہو جو توبہ کے لیے اس میں داخل ہو مگر تو اسے بخش دے اور اس پر نظر کرم فرما، کوئی خوفزدہ داخل نہ ہو مگر تو اسے امان دے، کوئی مریض داخل نہ ہو مگر تو اسے شفا عطا کرے، کوئی فقیر داخل نہ ہو مگر تو اس کو غنی کر، جو آدمی اس میں داخل ہو تو اس سے اپنی نظر کو نہ پھیرے یہاں تک کہ وہ اس سے نکلے ہاں جو آدمی اس میں الحاد یا ظلم کا ارادہ کرے۔

اے رب العلمین؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت اس روایت سے زیادہ صحیح ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فراغت نہ ہوئی مگر آپ کی موت کے ایک سال بعد۔ اس کی صحت پر دلیل وہ روایت ہے جسے امام نسائی اور دوسرے علماء نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے جو حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو سے وہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ سے تین سوال کیے۔ اپنا فیصلہ جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے ساتھ موافقت رکھتا ہو تو یہ آپ کو عطا کر دیا گیا (1)۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی بادشاہت کا سوال کیا جو ان کے بعد کسی کے لیے روانہ ہو تو یہ بھی ان کو عطا کر دیا گیا۔ جب مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کی کہ اس میں کوئی آدمی نہ آئے وہ اس میں نماز پڑھنے کے لیے ہی سفر کر رہا ہو تو وہ اپنے گناہوں سے یوں نکل جائے جس طرح وہ گناہوں سے اس وقت پاک تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا''۔ ہم نے اس حدیث کا ذکر آل عمران میں کیا ہے اور سورۂ اسراء میں اس کی تعمیر کا ذکر کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝

''قوم سبا کے لیے ان کے مسکن میں نشانی موجود تھی، (وہاں) دو باغ تھے ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو، اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور!''۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ نافع اور دوسرے علماء نے سبا کو منصرف اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اصل میں یہ ایک آدمی کا نام تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اسی طرح واقع ہوا ہے۔ امام ترمذی نے روایت کی ابو کریب اور عبد بن حمید، ابو اسامہ سے وہ حسن بن حکم نخعی سے وہ ابو سبرہ نخعی سے وہ حضرت فروہ بن مسیک مرادی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی قوم کے ان لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کروں جو پیچھے بیٹھے رہے، اپنی قوم کے ان لوگوں کو ساتھ لے کر جو ان میں سے آتے ہیں (2)؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور مجھے امیر بنا دیا۔ جب میں آپ کے پاس چلا آیا تو آپ نے میرے بارے میں پوچھا: غطیفی نے کیا کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا میں روانہ ہو چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے آدمی بھیجا اور مجھے واپس لوٹایا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صحابہ کی ایک جماعت میں تھے۔ فرمایا: ''اپنی قوم کو دعوت دو اس میں سے جو مسلمان ہو جائے تو اس کا اسلام قبول کرو اور جو اسلام نہ لائے اس کے بارے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ میں تجھے نیا حکم نہ دوں''۔ کہا: تو سبا کے بارے میں آیات نازل ہوئیں جو نازل ہوئیں۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ سبا کیا ہے یہ کوئی علاقہ ہے یا کوئی عورت ہے؟ فرمایا: ''نہ یہ علاقہ اور نہ ہی کوئی عورت ہے لیکن عربوں میں سے یہ ایسا

1۔ سنن نسائی، کتاب المساجد، فضل المسجد الاقصیٰ الصلوٰۃ فیہ، جلد 1، صفحہ 112

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ سبا، جلد 2، صفحہ 154

آدمی تھا جس کے دس بچے ہوئے ان میں سے چھ یمن کی طرف چلے گئے اور چار شام کی طرف چلے گئے۔ جو شام کی طرف گئے وہ فلخم، جذام، عسان اور عاملہ تھے اور جو یمن کی طرف گئے تو وہ ازد، اشعری، حمید، کندہ، مذحج اور انمار ہیں"۔ ایک آدمی نے کہا: انمار کون ہیں؟ فرمایا: "جن میں سے خثعم اور بجیلہ ہیں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے یہی روایت نقل کی ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے(1)۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے لسبا غیر منصرف پڑھا ہے۔ انہوں نے اسے قبیلہ کا نام بنایا ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے اس چیز سے استدلال کیا ہے کہ اس کے بعد فِیْ مَسْكَنِهِمْ ہے۔ نحاس نے کہا: اگر بات اس طرح ہوتی جس طرح انہوں نے کہا ہے تو کلام یوں ہوتی فی مساکنھا۔ سورۃ النمل میں اس معنی سے زیادہ وضاحت گزر چکی ہے۔ ایک شاعر نے اس کو منصرف قرار دیتے ہوئے یوں کہا ہے:

الواردون وتَيْمٌ في ذُرى سبأٍ قد عضّ أعناقهم جِلدُ الجواميس

ایک اور شاعر نے سبا کے لفظ کو غیر منصرف پڑھا ہے:

من سَبَأَ الحاضرين مأرِبَ إذ يَبْنُون من دون سَيْلها العَرِما

سبا قبیلہ سے مآرب حاضر ہونے والے ہیں کیونکہ وہ سیلاب سے بچنے کے لیے بند بناتے ہیں۔

قنبل، ابو حیوہ اور جحدری نے لسبا ہمزہ کے اسکان کے ساتھ قراءت کی ہے۔ فِیْ مَسْكَنِهِمْ عام قراءت جمع کے ساتھ ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ ان کے مسکن بہت زیادہ تھے کوئی ایک مسکن نہ تھا۔ ابراہیم، حمزہ اور حفص نے مسکنھم واحد کا صیغہ پڑھا ہے مگر انہوں نے کاف کو فتحہ دیا ہے۔ یحییٰ، اعمش اور کسائی نے اسی طرح اسے واحد پڑھا ہے مگر انہوں نے کاف کو کسرہ دیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں ساکن واضح ہے کیونکہ یہ لفظ اور معنی دونوں کو جامع ہے۔ جب تو مسکنھم کہے گا تو اس میں دو تقدیریں ہیں: (۱) یہ واحد ہو معنی جمع کا دے رہا ہو (۲) مصدر، وجس کا نہ تثنیہ بنایا جاتا ہے اور جس کی نہ جمع بنائی جاتی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ (البقرہ: 7) سمع واحد آیا ہے اسی طرح مَقْعَدِ صِدْقٍ (القمر: 55) ہے مسکن مسجد کی طرح ہے یہ قیاس سے خارج ہے۔ اس قسم کا لفظ سماع سے ثابت ہے۔ آیۃ کان کا اسم ہے یہ ایسی علامت ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دال ہے کہ ان کا ایک خالق ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور اگر تمام مخلوق جمع ہو جائے کہ لکڑی سے پھل نکالیں تو ان کے لیے ممکن نہ ہو اور وہ پھلوں کی اجناس، ان کے انواع، ان کے ذائقوں، ان کی خوشبوؤں اور ان کی کلیوں کے اختلاف پر آگاہ نہ ہو سکیں۔ اس میں ایسی چیز ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سب کچھ ایسی ذات سے ہو سکتا ہے جو عالم و قادر ہو۔

جَنَّتٰنِ یہ جائز ہے کہ یہ آیۃ سے بدل ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ اس صورت میں آیۃ پر وقف ہو گا یہ وقف تام نہ ہو گا۔ زجاج نے کہا: کلام یوں ہے الآیۃ جنتان، جنتان کو رفع اس لیے دیا گیا کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ فراء نے کہا: یہ آیۃ کی تفسیر کی بنا پر مرفوع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ آیۃ کو نصب دی جائے کیونکہ یہ کان کی خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے

1۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ سباء، حدیث نمبر 3146، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کہ تو جنتین کو خبر کی بنا پر نصب دے جب کہ وہ قرآن کے علاوہ میں ہو۔

عبدالرحمن بن زید نے کہا: وہ آیت جو اہل سبا کی ان کے مساکن میں تھی وہ یہ تھی کہ وہ اپنے مساکن میں کبھی بھی مچھر، مکھی، پسو، جوں، بچھو، سانپ اور اس کے علاوہ کیڑے مکوڑے نہیں دیکھتے تھے (1)۔ جب کوئی قافلہ آتا ان کے کپڑے میں جوئیں وغیرہ ہوتیں جب قافلہ والے ان کے گھروں کو دیکھتے تو وہ کیڑے مکوڑے مر جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت یہی دو باغ تھے۔ ایک عورت ان کے درمیان چلتی جب کہ اس کے سر پر ٹوکری ہوتی، اس کے ہاتھ لگائے بغیر وہ ٹوکری بھر جاتی؛ یہ قتادہ کا قول ہے (2)۔

ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ دونوں باغ یمن کے دو پہاڑوں کے درمیان تھے۔ سفیان نے کہا: ان دونوں باغوں میں دو محل تھے ان میں سے ایک پر لکھا ہوا تھا: ہم نے لگاتار ستر سالوں میں سلحسین بنایا۔ دوسرے پر لکھا ہوا تھا: ہم نے اسے صرواح بنایا تھا یہ قیلولہ اور آرام کی جگہ ہے۔ ایک باغ وادی کی دائیں جانب اور دوسرا اس کی بائیں جانب تھا۔ قشیری نے کہا: جنتین سے دو باغوں کا ارادہ نہیں کیا بلکہ جنتین سے مراد دایاں اور بایاں مراد لیا ہے، یعنی ان کے شہر، باغوں، درختوں اور پھلوں والے تھے۔ لوگ ان کے سایوں سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ انہیں کہا گیا: کھاؤ۔ وہاں کوئی امر نہیں تھا بلکہ وہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسولوں نے ان کو کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے مباح کیا، یعنی ان نعمتوں کو تمہارے لیے مباح کیا طاعت اختیار کر کے اس کا شکر بجالاؤ۔ **مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ** دونوں باغوں کے پھلوں سے۔ **وَاشْكُرُوْا لَهٗ** اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ۔ **بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ** یہ نئی کلام ہے یعنی ھذہ بلدۃ طیبۃ یہ پاکیزہ شہر ہے جو بہت زیادہ پھلوں والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شور زدہ نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پاکیزہ ہے اس میں کیڑے مکوڑے نہیں کیونکہ آب و ہوا عمدہ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد صنعا، کا شہر ہے۔ **وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ** جو تم پر یہ انعام فرمانے والا ہے وہ رب غفور ہے وہ تمہارے گناہوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے گناہوں کی بخشش اور عمدہ شہر کے ساتھ نعمتوں کو جمع کیا تمام مخلوق کے لیے اس کا ارادہ نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مغفرت کا ذکر کیا یہ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے کہ رزق میں بعض اوقات کوئی چیز حرام بھی ہوتی ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان جتلایا کہ اس نے ان کو معاف کر دیا ایسا عذاب نہ دیا جو ان کی اصل کو ختم کر دے کیونکہ انہوں نے اس طرح تکذیب کی جس طرح سابقہ انبیاء کی لوگوں نے تکذیب کی یہاں تک کہ انہوں نے اصرار پر دوام اختیار کیا اور ان کی نسل کو ہی ختم کر دیا گیا۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 443 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 444

خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾

"(اہل سبا! تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا) پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا اور ہم نے بدل دیا ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے جن کے پھل ترش اور کڑوے تھے اور ان میں جھاؤ کے بوٹے اور چند بیری کے درخت تھے"۔

انہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کے رسولوں کی اتباع سے اعراض کیا۔ سدی اور وہب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اہل سبا کی طرف تیرہ رسول بھیجے تو اہل سبا نے ان کو جھٹلایا۔ قشیری نے کہا: ان کا ایک رئیس تھا جسے حمار کا لقب دیا جاتا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فترت کے دور میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا ایک بیٹا تھا وہ مر گیا اس نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور تھوکا اور کفر کیا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے اکفر من حمار حمار سے زیادہ کافر۔ جوہری نے کہا: ان کا قول، اکفر من حمار وہ قوم عاد کا ایک آدمی تھا اس کے بچے مر گئے تو اس نے عظیم کفر کیا۔ اس کے علاقے سے کوئی آدمی نہ گزرتا مگر وہ اسے کفر کی طرف دعوت دیتا۔ اگر وہ اس کی دعوت کو قبول کرتا تو ٹھیک ورنہ وہ اسے قتل کر دیتا۔ پھر جب سیلاب ان کے باغوں کو بہا کر لے گیا تو وہ مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔ جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ اس وجہ سے ضرب المثل ذکر کی جاتی ہے: تفرقوا ایادی سبا☆۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوس و خزرج بھی ان میں سے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے اس میں عرم سے مراد بند ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے سیل السد العرم عطا نے کہا: عرم وادی کا نام ہے۔ قتادہ نے کہا: عرم سبا کی وادی ہے (1)۔ کئی وادیاں اس میں جمع ہوتیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سمندر سے اور یمن کی وادیوں سے۔ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان تین بند باندھے۔ اور اس بند سے تین دروازے بنائے جو ایک دوسرے کے اوپر تھے۔ وہ پہلے سب سے اونچے دروازے سے سیراب کرتے، پھر درمیانی سے پھر تیسرے سے جس قدر ان کی ضرورت ہوتی۔ ان کا علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا اور ان کے اموال بہت زیادہ ہو گئے۔ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے ان پر چوہے کو مسلط کر دیا جس نے بند کو توڑ دیا۔

وہب نے کہا: وہ گمان رکھتے تھے وہ اپنے علم اور کہانت سے جانتے ہیں کہ ان کے بند کو ایک چوہا برباد کرے گا وہ دو پتھروں کے درمیان کوئی سوراخ نہیں دیکھتے تھے مگر وہاں ایک بلی باندھ دیتے تھے۔ جب وہ وقت آ گیا جس وقت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارادہ کیا تھا تو سرخ رنگ کا ایک چوہا ان بلیوں میں سے ایک بلی کے پاس آیا اس کے ساتھ سرگوشی کی تو وہ بلی اس پتھر سے پیچھے ہٹ گئی۔ پھر وہ چوہا اچھلا اور اس کے ساتھ جو تھا اس سوراخ میں داخل ہو گیا اور اس بند میں نقب لگائی یہاں تک کہ سیلاب کے لیے اسے کمزور کر دیا جب کہ وہ نہیں جانتے تھے۔ جب وہ سیلاب آیا تو اس سوراخ میں داخل ہو گیا یہاں تک کہ اس بند تک پہنچ گیا۔ اور پانی ان کے اموال پر بہہ پڑا اور انہیں غرق کر دیا اور ان کے گھروں کو دفن کر دیا۔

زجاج نے کہا: العرم اس چوہے کا نام ہے جس نے ان پر بند میں سوراخ کیا تھا، اسے ہی خلد کہتے ہیں؛ یہ قتادہ کا بھی قول

1۔ زاد المسیر، جز6، صفحہ 238

☆ وہ ایسے بکھرے کہ اس کے بعد جمع نہ ہو سکے۔

ہے سیلاب کو اس کی طرف منسوب کیا کیونکہ سیلاب اس کے سبب سے آیا تھا۔ ابن عربی نے بھی یہ کہا ہے: یہ العرم چوہے کا نام ہے۔ مجاہد اور ابن ابی نجیح نے کہا: العرم سرخ پانی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس بند میں بھیجا جس نے اسے پھاڑ دیا اور اسے گرا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: العرم سے مراد شدید بارش ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: العرم راء کے سکون کے ساتھ ہے۔ ضحاک سے مروی ہے: یہ فترت کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران ہوا۔ عمرو بن شرحبیل نے کہا: عرم سے مراد سیلاب کو روکنے والا بند ہے؛ یہ جوہری کا قول ہے۔ کہا: اس کا لفظوں میں کوئی واحد نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا واحد عرمۃ ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: العرم ہر اس شے کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان آڑ ہے۔ اسی کو سکر کہتے ہیں۔ یہ عرمۃ کی جمع ہے۔ نحاس نے کہا: عرم اسے کہتے ہیں دو پہاڑوں کے درمیان جہاں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے اس کے سامنے مسناۃ ہوتا ہے اس کو ہی عرم کہتے ہیں۔ مسناۃ وہ چیز ہے جسے اہل مصر جسر کہتے ہیں۔ جب وہ چاہتے اس کو کھول لیتے جب ان کے باغ سیراب ہو جاتے تو وہ اسے بند کر دیتے۔

ہروی نے کہا: مسناۃ یعنی ضفیرہ جسے سیلاب کے لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اسے روک دے۔ اسے مسناۃ کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں پانی کے دروازے ہوتے ہیں۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ عرم ایک بند تھا جسے ملکہ بلقیس نے بنایا تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔

حمیر کی لغت میں مسناۃ ہے ملکہ بلقیس نے اسے پتھروں اور تارکول سے بنایا تھا اس نے اس کے تین دروازے بنوائے جو اوپر نیچے تھے۔ یہ عرامہ سے مشتق ہے جس کا معنی مضبوطی ہے۔ اسی سے رجل عارم ہے، یعنی مضبوط آدمی۔ عرمت العظم اعرمہ و اعرمہ عرما میں نے ہڈی سے گوشت اتارا۔ اسی سے عرمت الابل الشجر یعنی اونٹ نے درخت سے کھایا۔ العرام جب ضمہ کے ساتھ ہو تو ہڈی سے اور درخت سے جس کو کھا لیا گیا ہو۔ تعرمت العظم میں نے ہڈی سے گوشت کھایا۔ صبی عارم بین العرام جو بچہ بد خلق ہو۔ قد عرم یعرُم و یعرِم عرامۃ والعوم العارم یہ جوہری سے مروی ہے۔

وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ ابو عمرو نے اکل خمط تنوین کے بغیر مضاف کی صورت میں پڑھا ہے۔ علماء تفسیر اور خلیل نے کہا: خمط سے مراد پیلو کا درخت ہے(1)۔ جوہری نے کہا: خمط سے مراد پیلوں کی ایک قسم ہے جس کا پھل کھایا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ ایسا درخت ہے جو کانٹوں والا ہو اس میں کڑواہٹ ہو۔ زجاج نے کہا: ہر ایسی بوٹی جس میں کڑواہٹ ہو جس کا کھانا ممکن نہ ہو۔ مبرد نے کہا: خمط ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جو اس قدر بدل جائے جس کی خواہش نہ رہے۔ دودھ کو خمط کہتے ہیں جب وہ کھٹا ہو جائے۔ ان کے نزدیک قراءت میں اولیٰ ذواتی اکل خمط تنوین کے ساتھ ہوگی اس بنا پر کہ یہ اکل کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے کیونکہ اکل ان کے نزدیک خمط ہی ہے۔ جہاں تک اضافت کا تعلق ہے تو یہ بھی جائز ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہوگی: ذواتی اکل حموضۃ او اکل مرارۃ۔

اخفش نے کہا: کلام عرب میں اضافت احسن ہے، جس طرح عربوں کا قول ہے: ثوب خز، خمط سے مراد کھٹا دودھ ہے۔

1۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 740

ابو عبید نے ذکر کیا کہ دودھ جب اس سے مٹھاس جاتی رہے اور اس کا ذائقہ نہ بدلے تو اسے سامط کہتے ہیں۔ جب اس میں کچھ بوسی پیدا ہو جائے تو وہ خامط اور خمیط ہوتا ہے۔ جب اس کا ذائقہ بھی بدل جائے تو اسے ممحل کہتے ہیں۔ جب اس میں مٹھاس کا ذائقہ ہو تو اسے فوهة کہتے ہیں☆۔ تخمط الفحل جب نر نیچے آ گرے۔ تخمط فلان جب وہ غصے ہو اور تکبر کرے۔ تخمط البحر جب وہ موجزن ہو۔ خمطتُ الشاۃَ اَخمِطُها خمطا جب تو بکری کی جلد اتارے اور اس کو بھونے، تو یہ خمیط ہے۔ اگر تو اس کے بال اتارے اور اس کو بھونے تو یہ سمیط ہے۔

خمط اس شراب کو کہتے ہیں جب اس میں پکنے کی بو ہو جیسی سیب کی ہوتی ہے ابھی پکا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: حامضہ کہتے ہیں، یہ جوہری کا قول ہے۔ قتبی نے ادب الکاتب میں کہا: حامضۃ کو خمطہ کہتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: خمطہ اسے کہتے ہیں جب اس نے کچھ بوسی پکڑ لی ہو؛ اور اس شعر کو پڑھا:

عُقارٌ کماء النِّیْ لیست بخمطة ولاخَلَّةٍ یکْوِی الشُّروبَ شِهابُها

اس شعر میں خمطہ کا لفظ اس معنی میں ہے۔

واثل، فراء نے کہا: یہ طرفاء (درخت) سے مشابہ ہوتا ہے مگر لمبائی میں اس سے بڑا ہوتا ہے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بنایا گیا۔ اثل کا تنا مضبوط ہوتا ہے جس سے دروازے بنائے جاتے ہیں۔ اس کے پتے طرفاء درخت کے پتوں جیسے ہوتے ہیں۔ اس کی واحد اثلہ ہے جمع اثلات ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: الاثل ایک لکڑی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ لکڑی کی ایک قسم ہے جو طرفاء کے مشابہ ہوتی ہے، میں نے فید میں دیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کیکر کا درخت ہے۔ ابو عبید نے کہا: یہ نضار کا درخت ہے نضار کا معنی سونا ہے اور نضار ایسی لکڑی ہے جس سے پیالے بنائے جاتے ہیں اسی سے قدح نُضار ہے۔

وَّ شَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ فراء نے کہا: اس سے مراد بول کا درخت ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ازہری نے کہا: سدر ایک درخت ہے اس کی دو قسمیں ہیں: خشکی والا۔ اس سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا اس کے پتے کسی چیز کو دھونے کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔ اس کا کسیلا پھل ہوتا ہے جسے کھایا نہیں جاتا۔ اسی کو ہی ضال کہا جاتا ہے (۲) سدر جو پانی پر اگتا ہے اس کا پھل نبق ہے اس کے پتے کسی چیز کو دھونے کے کام آتے ہیں یہ عناب کے درخت کے مشابہ ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس اثناء میں کہ قوم کا درخت بہترین درخت تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے اعمال کے باعث بدترین درخت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پھل دار درختوں کو ہلاک کر دیا اور اس کے بدلے میں اراک، طرفاء اور سدر کو اگا دیا۔ قشیری نے کہا: جنگلوں کے درختوں کو جنت اور بستان نہیں کہتے، لیکن جب دوسرا پہلے کے مقابلہ میں آئے تو اس کے لیے بھی لفظ جنت استعمال کر دیتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُهَا (الشوریٰ:40) یہ بھی احتمال ہے کہ قلیل کا لفظ ان کی طرف لوٹ رہا ہو جس کا پہلے ذکر ہوا جیسے خمط، اثل اور سدر۔

ذٰلِكَ جَزَیۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ وَ هَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ﴿۱۷﴾

☆ کوهة، ایسا دودھ جو تھوڑا سا متغیر ہو جائے جب کہ اس میں دودھ کی حلاوت باقی ہو شاید فوهة تصحیف ہے۔

''یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ انکی احسان فراموشی کے اور بجز احسان فراموش کے ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں''۔

یہ تبدیلی ان کے کفر کا بدلہ تھا۔ ذٰلِكَ محل نصب میں ہے یعنی جزینا هم ذلك بكفرهم عام قراءت یجازی یاء مضموم اور زا مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ الکفور نائب فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ یعقوب، حفص، حمزہ اور کسائی نے نون مضموم اور راء مکسور کے ساتھ اور الکفور کو نصب کے ساتھ قراءت کی ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے کہا: کیونکہ اس سے پہلے جزینا هم ہے جوزوا نہیں کہا گیا۔ نحاس نے کہا: اس سے امر بڑا وسیع ہے اس میں معنی واضح ہے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے: خلق الله تعالٰی آدم علیہ السلام من طین اور دوسرا کہے: خلق آدم علیه السلام من طین دونوں کا معنی تو ایک ہی ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں ایک سوال ہے اس سورت میں اس سے سخت سوال نہیں وہ یہ ہے کہ کہا جائے: اللہ تعالیٰ نے جزا کے لیے کفور کو ہی کیوں خاص کیا ہے اور اصحاب معاصی (گناہگاروں) کا ذکر نہیں کیا۔ علماء نے اس بارے میں گفتگو کی ہے۔

ایک قول کا خیال ہے: یہ جزا جس سے مراد جڑ سے اکھیڑ دینا اور ہلاک کر دینا ہے یہ صرف کافروں کے لیے ہے۔ مجاہد نے کہا: یہاں یجازی، یعاقب کے معنی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن کی خطائیں اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے اور کافر کو ہر برے عمل کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

مومن کے لیے یجزی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس کے لیے یجازی کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا، کیونکہ اسے بدلہ دیا جاتا ہے۔ طاؤس نے کہا: اس سے مراد حساب میں مناقشہ ہے۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے اس کے حساب میں مناقشہ نہیں ہوتا۔ قطرب نے اس کے برعکس کہا ہے۔ اور اسے کفار کے علاوہ اہل معاصی کے لیے خاص کیا ہے۔ کہا: معنی ہے جس نے نعمتوں کا انکار کیا اور گناہ کبیرہ کیے۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو سب سے عمدہ اور عظیم الشان بات کی جاتی ہے وہ وہ ہے جو اس کے بارے میں روایت کی جاتی ہے کہ حضرت حسن بصری نے کہا: مثلاً بمثل، برابر۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس کا محاسبہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا'' (1)۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ (الانشقاق) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''یہ تو پیشی ہے جس کے حساب کا مناقشہ ہوا وہ ہلاک ہو گیا''۔ یہ اسناد صحیح ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ کافر کو اس کے اعمال پر بدلہ دیا جائے گا، اس کا محاسبہ ہوگا، اس نے جو بھلائی کا عمل کیا ہوگا اس کو ختم کر دیا جائے گا۔ پہلے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان واضح کرتا ہے: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا۔ دوسرے کے بارے میں یہ قول دلالت کرتا ہے: وَ هَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ، یجازی کا معنی ہے ہر عمل پر بدلہ دیا جائے گا۔ جزیناهم کا معنی ہے ہم اسے پورا بدلہ دیں گے۔ یہ لغت میں حقیقی معنی ہے اگرچہ مجازی طور پر جازی، جزی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝۱۸

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، من سمع شیئا لم یفقهه فراجعه، جلد 1، صفحہ 21

''اور ہم نے بسادی تھیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھ دی تھی کئی اور بستیاں سرِ راہ اور ہم نے منزلیں مقرر کر دی تھیں ان میں آنے جانے کی، سیر و سیاحت کرو ان میں (جب چاہو) رات یا دن کے وقت امن و امان سے''۔

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً حضرت حسن بصری نے کہا: یعنی یمن اور شام کے درمیان بستیاں جن میں برکت رکھ دی گئی ہے جیسے شام، اردن اور فلسطین (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: برکت جن بستیوں میں رکھی گئی تھی وہ چار ہزار سات سو دیہات تھے۔ ان کے درختوں، پھلوں اور پانی میں برکت رکھ دی گئی تھی۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ کثرت تعداد کے ساتھ ہم نے ان میں برکت رکھی ہو۔ قُرًى ظَاهِرَةً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد مدینہ اور شام کا درمیانی علاقہ ہے۔ قتادہ نے کہا: ظَاهِرَةً کا معنی ہے وہ راستہ پر متصل تھیں۔ وہ صبح چلتے اور ایک بستی میں قیلولہ کرتے پچھلے پہر چلتے تو رات ایک اور بستی میں گزارتے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: میل پر بستی تھی جس میں منڈی تھی۔ یہی راستہ کے پرامن ہونے کا سبب تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: عورت اپنی سلائی کے ساتھ نکلتی اور اس کے سر پر اس کی ٹوکری ہوتی اور وہ اپنی سلائی سے بنائی کرتی رہتی وہ گھر نہ آتی مگر اس کی ٹوکری ہر قسم کے پھل سے بھر جاتی (2)۔ شام اور یمن کے درمیان بھی اسی طرح کی صورت حال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظَاهِرَةً سے مراد بلند ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ظَاهِرَةً کہا گیا ہے کیونکہ وہ ظاہر تھے، یعنی جب تو اس سے نکلے گا تو تیرے لیے دوسرا دیہات ظاہر ہو جائے گا۔ وہ بستیاں معروف تھیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھذا امر ظاھر یعنی یہ امر معروف ہے۔

وَ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ہم نے ان کی بستیوں اور ان بستیوں جن کو ہم نے بابرکت بنادیا تھا کے درمیان منازل مقدر کر دیں یعنی ایک منزل سے دوسری منزل اور ایک بستی سے دوسری بستی کے درمیان مسافت مقدر کر دی تھی یعنی دو بستیوں کے درمیان ہم نے نصف یوم کی مسافت مقدر کر دی یہاں تک کہ ان کا قیلولہ ایک بستی میں اور ان کی رات دوسری بستی میں ہوتی تھی۔ انسان رفتار میں تیزی دکھاتا ہے کیونکہ اس کے پاس زادِ راہ نہیں ہوتا اور نہ ہی پانی ہوتا ہے اور راستہ میں خوف بھی ہوتا ہے۔ جب زادِ راہ اور امن پایا جائے تو وہ اپنی ذات پر مشقت نہیں اٹھاتا اور جہاں ارادہ ہوتا ہے وہ فروکش ہو جاتا ہے۔ سِيْرُوْا فِيْهَا ہم نے انہیں کہا: اس مسافت میں گھومو پھرو۔ یہ امر قدرت دینے کے بارے میں ہے۔ وہ جب بھی ارادہ کرتے تو بڑے امن سے اپنے مقاصد کی طرف چلے جاتے۔ یہ امر خبر کے معنی میں ہے۔ اس میں قول مضمر ہے۔

لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا دونوں ظرفیں ہیں۔ اٰمِنِيْنَ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا نکرہ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ ان کا سفر انتہائی مختصر تھا یعنی انہیں طویل سفر کی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ جس چیز کی انہیں ضرورت ہوتی وہ وہاں ہی مل جاتی تھی۔ قتادہ نے کہا: وہ خوف، بھوک اور پیاس کے بغیر سفر کیا کرتے تھے (3)۔ وہ ان کے ساتھ

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 322　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 445

چار چار ماہ کا سفر کرتے وہ ایک دوسرے سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرتے اگر کوئی آدمی اپنے باپ کے قاتل کو بھی ملتا تو اسے کچھ نہ کہتا۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

''پھر وہ بولے: اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان (کی جمعیت) کو پارہ پارہ کر دیا (سبا کی اس داستان) میں عبرت کی نشانیاں ہیں، بہت صبر، بہت شکر کرنے والے کے لیے''۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا جب انہوں نے تکبر کیا، سرکشی کی، راحت پر اکتا گئے اور امن و عافیت پر صبر نہ کیا تو انہوں نے لمبے سفر اور معیشت میں مشقت کی آرزو کی جس طرح بنی اسرائیل کا قول ہے: فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا (البقرہ: 61) جس طرح نضر بن حارث نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال: 32) اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی۔ اسے انتقام کے طور پر غزوہ بدر کے موقع پر تلوار سے قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح یہ لوگ دنیا میں بکھر گئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان اور شام کے درمیان کئی جنگلات وسیع علاقے بنا دیئے جن میں وہ سواریوں پر سوار ہو کر جاتے اور زاد راہ ساتھ رکھتے۔ عام قراءت ربنا نصب کے ساتھ ہے کہ یہ منادی مضاف ہے۔ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے کیونکہ اس کا معنی ہے نادیت، دعوت۔ باعد، انہوں نے اپنے سفروں میں دوری کا سوال کیا۔

ابن کثیر، ابو عمرو، ابن محیصن اور ہشام نے ابن عامر سے ربنا قراءت نقل کی ہے اسی طرح دعا کے طریقہ پر بعد قراءت کی یہ تبعید سے مشتق ہے۔ نحاس نے کہا: باعد، بعد دونوں معنی میں ایک ہی ہیں جس طرح تو کہتا ہے قارب، قرب۔ ابو صالح، محمد بن حنفیہ، ابو العالیہ، نصر بن عاصم اور یعقوب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی قراءت مروی ہے۔ ربنا مرفوع ہے باعد بین اور دال کے فتحہ کے ساتھ یہ ماضی غائب کا صیغہ ہے تقدیر کلام اس طرح ہے لقد باعد ربُّنا بین اسفارنا گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ہم نے ان کے لیے ان کے سفروں کو قریب کر دیا تو انہوں نے تکبر کے طور پر کہا: ہم پر ہمارے سفر دور کر دیئے گئے۔ اس قراءت کو ابو حاتم نے پسند کیا ہے۔ انہوں نے سفروں کی دوری کو طلب نہیں کیا تھا انہوں نے تکبر اور اپنے کفر پر عجب کا اظہار کرتے ہوئے اس سے بھی قرب کا مطالبہ کیا۔ یحییٰ بن یعمر، عیسیٰ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قراءت یہ ہے ربنا بعد بین اسفارنا عین مشدد ہے الف نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہا: انہوں نے شکایت کی کہ ان کے رب نے ان کے سفروں کو دور کر دیا ہے۔ سعید بن ابی الحسن جو حضرت حسن بصری کے بھائی ہیں کی قراءت ہے ربنا بعد بین اسفارنا۔ ربنا یہ منادی مضاف ہے۔ اس کے بعد انہوں نے خبر دی اور کہا: بعد بین اسفارنا، بین کو فعل کے ساتھ رفع دیا تقدیر کلام یہ ہوئی بعد ما یتصل بہا سفارنا۔ فراء اور ابو اسحاق نے چھٹی قراءت روایت کی ہے جو اس کی مثل ہے جو اس سے قبل ہے۔ جس میں عین مضموم ہے۔ مگر تو بین کو ظرف کی

وجہ سے نصب دے گا۔ عربی زبان میں اس کی تقدیر یہ ہوگی بعدُ سیرُنا بین اسفارنا۔

نحاس نے کہا: ان قرائتوں کے معانی جب مختلف ہیں تو یہ کہنا جائز نہیں کہ ان میں سے ایک دوسری سے عمدہ ہے جس طرح اخبار احاد میں یہ نہیں کہا جاتا جب ان کے معانی مختلف ہیں، لیکن ان کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان کے سفروں میں دوری پیدا کر دے ان کی یہ دعا سرکشی اور تکبر کے طور پر تھی۔ ان کے بارے میں یہ خبر دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو اس کے بارے میں انہیں خبر دی گئی اور انہوں نے شکایت کی، جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ انہوں نے کفر اختیار کرتے ہوئے اپنے اوپر ظلم کیا۔ **فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ** ہم نے ان کو اس طرح بنا دیا کہ ان کی باتیں کی جاتی ہیں۔ عربی زبان میں اس کی تقدیر ہے ذوی احادیث۔

وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ جب انہیں لاحق ہوا جو انہیں لاحق ہوا وہ بکھر گئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ شعبی نے کہا: انصار یثرب آ گئے، غسان شام چلے گئے، اسد عمان چلے گئے، خزاعہ تہامہ چلے گئے عرب ان کے بارے میں مثال ذکر کرتے تھے اور کہتے: تفرقوا أيدی سبا و أيادی سبا یعنی وہ سبا کے مذہب اور ان کے راستوں پر بکھر گئے۔ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ** صبار اسے کہتے ہیں جو معاصی سے رکتا ہے۔ یہ صابر سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس اسم کے ساتھ اس کی مدح بیان کی جاتی ہے۔ اگر تو یہ ارادہ کرے کہ اس نے معصیت سے صبر کیا ہے تو اس میں استعمال نہیں کیا جاتا مگر صبار عن کذا، شکور وہ نعمتوں پر شکر بجالانے والا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ معنی گزر چکا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑳

”اور بے شک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے جو حق پر ڈٹا رہا“۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ اس میں چار قرائتیں ہیں۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع، ابو عمرو، ابن کثیر اور ابن عامر، مجاہد سے بھی یہی مروی ہے انہوں نے یہ قراءت کی ہے **وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ** تخفیف کے ساتھ قراءت کی۔ ابلیس رفع کے ساتھ ظنہ نصب کے ساتھ ہے یعنی فی ظنہ۔ زجاج نے کہا: یہ مصدر کے طریقہ پر ہے، یعنی کلام یوں ہے صدق علیہم ظنا ظنہ اذ صدق فی ظنہ اسے مصدر یا ظرف کے طریقہ پر نصب دی۔ ابو علی نے کہا: ظنہ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول ہے، یعنی شیطان نے جو گمان کیا اس کو سچ کر دکھایا جب اس نے کہا تھا: **لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○** (الاعراف) جب اس نے کہا: **لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ⊙** (الحجر) یہ صدق فی الحدیث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، یحییٰ بن وثاب، اعمش، عاصم، حمزہ اور کسائی نے صدق تشدید کے ساتھ اور ظنہ نصب کے ساتھ قراءت کی ہے کیونکہ اس پر فعل واقع ہوا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس نے گمان کیا تو معاملہ اس طرح ہوا جس طرح اس نے گمان کیا تو اس نے اپنے گمان کو سچ کر دکھایا۔ جعفر بن محمد اور ابو الجہاج نے صَدَقَ عَلَيْهِمْ تخفیف کے ساتھ، ابلیس کو نصب

اور ظنہ رفع کے ساتھ قراءت کی ہے۔

ابوحاتم نے کہا: میرے نزدیک اس قراءت کی کوئی توجیہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فراء نے اس قراءت کو جائز قرار دیا ہے۔ زجاج نے اس کا ذکر کیا اور ظن کو صدق کا فاعل بنایا ہے اور ابلیس کو مفعول بہ بنایا ہے۔ معنی ہے ابلیس، اس کے لیے اس کے گمان نے کسی شے کو آراستہ کر کے پیش کیا تو اس کا گمان سچا ہو گیا۔ گویا کہا: ان پر ابلیس کا گمان سچ ہو گیا۔ علی صدق کے متعلق ہے، جس طرح تو کہتا ہے: صدقتُ علیك فیما ظننتُه بك میں نے تیرے بارے میں جو گمان کیا ہے تو نے اسے اپنے آپ پر سچ کر دکھایا۔ تو ظن کے متعلق نہ کر کیونکہ صلہ میں سے کسی چیز کو موصول پر مقدم کرنا محال ہے۔ چوتھی قراءت یہ ہے وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ ابلیس اور ظن دونوں مرفوع ہیں۔ صدق میں تخفیف کے ساتھ قراءت کی ہے۔ اس صورت میں ظنہ یہ ابلیس سے بدل ہے اور بدل اشتمال ہے پھر کہا گیا: یہ اہل سبا کے بارے میں ہے یعنی انہوں نے کفر کیا، تبدیلی کی اور بدل دیا بعد اس کے کہ وہ مومن تھے مگر ان میں سے ایک مومن جماعت تھی جو اپنے رسولوں پر ایمان لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے یعنی ابلیس نے اپنا گمان تمام لوگوں پر سچ کر دکھایا مگر جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا ان کے ساتھ حضرت حوا تھیں اور ابلیس بھی نیچے اترا، تو اس نے کہا: جب میں نے والدین تک رسائی حاصل کر لی ہے تو اولاد تو بہت ہی کمزور ہے۔ یہ ابلیس کی جانب سے ظن تھا (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کو نازل فرمایا: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ابلیس نے کہا: میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں آگ ہر شے کو جلا دیتی ہے (2)۔ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٢﴾ (الاسراء) شیطان نے اس پر اپنے گمان کو سچ کر دکھایا۔ زید بن اسلم نے کہا: ابلیس نے کہا: اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو تو نے عزت بخشی انہیں شرف سے نوازا اور مجھ پر فضیلت دی تو ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں پائے گا (3)۔ یہ اس کی طرف سے ظن تھا ابلیس نے ان پر اپنا ظن سچا کر دکھایا۔

کلبی نے کہا: اس نے یہ گمان کیا تھا اگر اس نے ان کو اغوا کیا تو وہ اسے جواب دیں گے۔ اگر اس نے ان کو گمراہ کیا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے تو اس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ فَاتَّبَعُوْهُ حضرت حسن بصری نے انہیں کہا: شیطان نے انہیں ڈنڈے اور عصا سے نہیں مارا اس نے جو گمان بھی دلایا اپنے وسوسہ ڈالنے کے ساتھ گمان دلایا (4)۔ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ یہ استثناء کے طور پر منصوب ہے۔ اس میں دو قول ہیں: اس سے بعض مومن مراد ہیں، کیونکہ کثیر مومن گناہ کرتے ہیں اور بعض معاصی میں ابلیس کی اقتدا کرتے ہیں یعنی مومنوں میں سے ایک جماعت کے سوا کوئی محفوظ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر: 42) سے یہی مراد ہے جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے۔ ان سے یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ سب مومن ہیں، پس من بیانیہ ہے بعضیہ نہیں ہے۔ اگر یہ

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 323
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 447
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 323

سوال کیا جائے: ابلیس کو اپنے گمان کے سچا ہونے کا کیسے پتہ چلا جب کہ وہ غیب نہیں جانتا؟ اسے کہا جائے گا: جب حضرت آدم علیہ السلام میں اس کا امر نافذ ہو گیا جو نافذ ہو گیا تو اس نے گمان کیا کہ اس کی اولاد میں بھی اس کی مثل نافذ ہو جائے گا۔ اس نے جو گمان کیا تھا وہ نافذ ہو گیا۔ ایک اور جواب بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں دیا گیا: وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ (الاسراء: 64) اللہ تعالیٰ نے اسے قوت اور استطاعت عطا فرمائی اس نے گمان کیا کہ وہ اس کے ذریعے ان سب کا مالک ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نظر رحمت کی اور عنقریب اس کی نسل ہوگی جو جنت تک اس کی پیروی کرے گی اور کہا: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ (الحجر) اسے علم ہو گیا کہ اس کے بھی پیروکار ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے بھی پیروکار ہیں، تو اس نے گمان کیا کہ اس کے پیروکار حضرت آدم علیہ السلام کے پیروکاروں سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ اس کے ہاتھوں میں شہوات کی قوت رکھ دی گئی اور شہوات لوگوں کے پیٹوں میں رکھ دی گئیں۔ جب اس نے ان میں پھونکا اور ان کی نظروں میں ان شہوات کو مزین کیا اور انہیں ان خواہشات کی طرف جھوٹی آرزوں اور دھوکوں سے آمادہ کیا تو اس نے جو گمان کیا تھا وہی نکلا تو اس نے جو گمان کیا تھا اس گمان کو ان پر سچ کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝

"اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون ان کے متعلق شک میں مبتلا ہے، اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے"۔

وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ابلیس نے انہیں کفر پر مجبور نہیں کیا، اس کی طرف سے تو صرف دعوت اور تزیین تھی۔ سلطان کا معنی قوت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حجت ہے، یعنی اس کے پاس کوئی ایسی حجت نہیں تھی جو ان سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کی اتباع کریں انہوں نے اس کی پیروی شہوت، تقلید اور خواہش نفس کی بنا پر کی، صحبت اور دلیل کی بنا پر نہ کی۔

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ اس سے مراد علم شہادت ہے جس کے ساتھ ثواب اور عقاب واقع ہوتا ہے، جہاں تک علم غیب کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ فراء کا مذہب ہے کہ معنی ہو کہ ہم اسے تمہارے پاس جانیں، جس طرح فرمایا: اَيْنَ شُرَكَآءِيَ (النحل: 27) تمہارے قول اور تمہارے ہاں جو شریک ہیں وہ کہاں ہیں۔ اِلَّا لِنَعْلَمَ یہ ظاہر میں وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ کا جواب نہیں۔ یہ معنی پر محمول ہے، یعنی ہم نے اس کے لیے سلطان نہیں بنائی مگر اس لیے کہ ہم جان لیں۔ استثناء منقطع ہے یعنی اسے ان پر کوئی تسلط اور قابو نہیں تھا لیکن ہم نے انہیں اپنے وسوسہ کے ساتھ آزمایا تا کہ ہم جان لیں۔ الا یہ لکن کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استثناء متصل ہے، معنی ہوگا اسے ان پر کوئی قابو نہ تھا سوائے اس

کہ ہم نے اسے ان پر مسلط کیا تا کہ آزمائش مکمل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کان زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی مالہ علیھم من سلطان جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ (آل عمران: 110) یعنی تم بہترین امت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس کی ایک طرف سبا کے قصہ کے ساتھ متصل ہے تو کہا: ابلیس کو ان کفار پر کوئی سلطان نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے سابقہ فیصلہ کے مطابق اسے ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا لِنَعْلَمَ یہ الا لنظھر کے معنی میں ہے۔

یہ اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: النار تحرق الحطب ایک اور کہتا ہے: نہیں بلکہ الحطب یحرق النار تو پہلے کہتا ہے: آؤ تا کہ ہم آگ اور حطب کا تجربہ کریں تا کہ ہم جان لیں کون کس کو جلاتا ہے یعنی ہم اسے ظاہر کریں اگرچہ انہیں یہ معلوم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ تم جان لو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ ہمارے اولیاء اور ملائکہ اس کو جان لیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (المائدہ: 33) یہاں بھی یہ یحاربون اولیاء اللہ و رسولہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لیعلم کا معنی لیمیز ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (الانفال: 37) یہ معنی سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکا ہے۔ زہری نے اسے لیعلم مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ وہ بندہ کے عمل کو محفوظ رکھتا ہے تا کہ اسے بدلہ عطا کرے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿۲۲﴾

''آپ فرمائیے: (اے مشرکو!) تم پکارو دیکھو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو یہ تو ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان میں سے کوئی مددگار ہے''۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہی وہ چیز ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور سبا کے قصہ میں میری قدرت کے آثار گزر چکے ہیں۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکوں سے کہیں: کیا تم جن کو شریک بناتے ہو انہیں بھی ان چیزوں پر قدرت حاصل ہے۔ یہ خطاب توبیخ کے لیے ہے۔ اس میں کلام مضمر ہے۔ قل ادعوا الذین زعمتم انھم آلھۃ لکم من دون اللہ یعنی انہیں بلاؤ جنہیں تم معبود گمان کرتے ہو اللہ کے سوا تا کہ تمہیں نفع دیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں جو فیصلہ کیا ہوا ہے اس سے تم کو بچا سکیں وہ تو اس امر کے مالک نہیں۔

لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ یعنی ان میں سے کوئی بھی کسی شے کو پیدا کرنے میں مددگار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا ایجاد کرنے والا ہے وہ ایسی ذات ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے اور غیر کی عبادت محال ہے۔

وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ

قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

''اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لیے اس نے اجازت دی ہو یہاں تک کہ جب دور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں: کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے؟ وہ کہتے ہیں: اس نے حق فرمایا ہے اور وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے''۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ یعنی فرشتوں اور دوسرے افراد کی شفاعت نفع نہیں دیتی۔ عندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ عام قراءت اذن ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ان کی شفاعت کوئی نفع نہ دے گی جن کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی نے اُذن ہمزہ کے ساتھ قراءت کی ہے یہ فعل مجہول ہے۔ آذِن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، مَن کے متعلق تیرے لیے جائز ہے کہ تو اسے شفاعت کرنے والوں کی طرف لوٹا دے اور یہ بھی جائز ہے کہ تو اسے ان کی طرف لوٹا دے جن کی شفاعت کی جا رہی ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خوف ان کے دلوں سے نکل چکا ہو۔ قطرب نے کہا: ان میں جو خوف ہے اس کو نکال دیا گیا ہو (1)۔ مجاہد نے کہا: قیامت کے روز ان کے دلوں سے پردہ ہٹا دیا گیا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کی جاتی ہے جیسے فرشتے، انبیاء اور بت (2) ان کی شفاعت نہیں ہوگی مگر اللہ تعالیٰ انبیاء اور فرشتوں کو شفاعت کا اذن دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے حد درجہ خوفزدہ ہوں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ (الانبیاء) اس کا معنی ہے جب انہیں شفاعت کا اذن دیا جائے گا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا کلام وارد ہوگا تو وہ گھبرا جائیں گے اس کی وجہ اس حالت میں ہولناک امر اور خوف کا ملنا ہے کہ کہیں انہیں جو اجازت دی گئی ہے اس میں ان سے کوئی کوتاہی واقع نہ ہو جائے جب خوف ان سے دور ہوگا تو وہ ان فرشتوں کو کہیں گے جو ان سے اوپر ہوں گے وہ اوپر والے فرشتے وہ ہوں گے جن پر اجازت والی وحی وارد ہوگی: مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دیا ہے؟ تو وہ کہیں گے: قَالُوا الْحَقَّ وہ امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مومنوں کی شفاعت کی اجازت دی ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ اسے حق حاصل ہے وہ اپنے بندوں میں جس کا ارادہ کرے اس کا حکم دے، پھر یہ جائز ہے کہ یہ دنیا میں کچھ لوگوں کے حق میں شفاعت کا اذن ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اذن آخرت میں ہو۔ کلام میں اضمار ہے، یعنی اس کے ہاں کسی کو شفاعت کا حق نہیں مگر جسے وہ اجازت دے جب اس پر اذن وارد ہوگا اللہ تعالیٰ کے کلام کی ہیبت کی وجہ سے وہ گھبرا جائے گا یہاں تک کہ جب خوف ان کے دلوں سے دور ہو جائے گا تو وہ اطاعت کو بجا لائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آج یہ گھبراہٹ فرشتوں کے لیے ہر اس امر میں ہے جس کا رب العالمین حکم دیتا ہے، یعنی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر فرشتوں کی جو آج گھبراتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں نہ کہ جمادات اور شیاطین کی شفاعت نفع دے گی۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 448

2۔ فرشتوں اور انبیاء کو بتوں کی صف میں کھڑا کرنا بڑا عجیب سا لگتا ہے حضرت مفسر کے کس مزاج میں آ کر یہ جملہ لکھ دیا ہے۔

صحیح ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے ارشاد پر عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پروں کو حرکت دیتے ہیں (1)، گویا صاف چٹان پر زنجیر ماری جائے، جب ان کے دلوں سے خوف ختم ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ فرشتے کہتے ہیں: حق فرمایا۔ وہ بلند ہے اور بڑا ہے۔ کیا شیاطین ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (2)

نواس بن سمعان نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا ہے کہ کسی امر کے بارے میں وحی کرے تو وحی سے تکلم فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہوئے آسمانوں کو اس وحی کی وجہ سے اضطراب اور شدید کپکپی طاری ہو جاتی ہے، جب آسمان والے اس کو سنتے ہیں تو ان پر بجلی سی گرتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاتے ہیں سب سے پہلے جبریل امین اپنا سر اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے کلام فرماتا ہے۔ اور جس کا ارادہ ہوتا ہے اپنی وحی سے اسے فرماتا ہے پھر جبریل امین فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں جب بھی آپ کسی آسمان سے گزرتے ہیں فرشتے ان سے پوچھتے ہیں: اے جبریل! ہمارے رب نے کیا کہا ہے؟ جبریل امین وحی کے ساتھ وہاں تک جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہوتا ہے'' (3)۔

بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ کی تفسیر یہ نقل کی ہے۔ کہا: جنوں کی ہر جماعت کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ ہے جہاں سے وہ وحی کو سنتے ہیں جب وحی نازل ہوتی ہے تو اس کی آواز سنی جاتی ہے جس طرح چٹیل چٹان پر کوئی زنجیر گزاری جائے آسمانوں پر وہ نازل نہیں ہوتی مگر وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں جب ان کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: حق فرمایا وہ بلند اور بڑا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں: سال اس طرح ہوگا اور اس طرح ہوگا تو جن اسے سن لیتے ہیں اور وہ کاہنوں کو خبر دیتے ہیں کاہن لوگوں کو خبر دیتے ہیں کہتے ہیں: سال اس طرح ہوگا، سال اس طرح ہوگا تو وہ اسے اسی طرح پاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو انہیں شہابیوں کے ساتھ دھتکارا گیا۔ جب جنوں نے عربوں کو کچھ نہ بتایا تو عربوں نے کہا: آسمان میں جو ہے وہ ہلاک ہو گیا تو اونٹوں والا ہر روز ایک اونٹ ذبح کرتا اور گائیوں والا ہر روز ایک گائے ذبح کرتا اور بھیڑ بکریوں والا ہر روز ایک بکری ذبح کرتا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اموال میں جلدی کی۔ ثقیف نے کہا جو عربوں میں سے سب سے زیادہ دانش مند تھے: اے لوگو! اپنے اموال کو روک لو، کیونکہ آسمان میں جو ہے وہ مرا نہیں۔ بے شک یہ نظام کا درہم برہم ہونا نہیں۔ کیا تم ستاروں میں سے اپنی نشانیوں کو نہیں دیکھتے وہ اس طرح ہیں سورج، چاند، رات اور دن۔ ابلیس نے کہا: آج زمین میں کوئی واقعہ ہوا ہے، میرے پاس ہر علاقہ سے مٹی لاؤ تاکہ میں اس کو سونگھوں۔ وہ اس کے پاس ہر علاقہ کی مٹی لائے وہ ہر مٹی کو سونگھنے لگا۔ جب اس نے مکہ مکرمہ کی مٹی سونگھی۔ اس نے کہا: یہاں وہ واقعہ ہوا ہے، وہ خاموش ہو گئے تو

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ سبا، جلد 2، صفحہ 154 2۔ ایضاً، باب ومن سورۃ سبا، حدیث نمبر 3147، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 109

کیا معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو چکے تھے۔ سورۂ حجر میں یہ معنی مرفوع حدیث سے مختصر انداز میں گزر چکا ہے۔ جنوں کو شہابیوں سے مارنے اور انہیں جلانے کا واقعہ بھی گزر چکا ہے۔ سورۃ الجن میں اس کی وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قیامت کے برپا ہونے پر خوفزدہ ہو جائیں گے۔ کلبی اور کعب نے کہا: حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما السلام کے درمیان پانچ سو پچاس سال کا عرصہ فترت کا دور ہے اس میں رسل تشریف نہ لائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کے ساتھ رسالت کے بارے میں کلام فرمایا۔ جب فرشتوں نے کلام کو سنا تو انہوں نے گمان کیا کہ قیامت برپا ہوگئی ہے۔ وہ وحی سن کر بے ہوش ہو گئے۔ جب حضرت جبریل امین نیچے آئے تو ہر آسمان کے پاس سے گزرتے تو ان سے پردہ کو ہٹاتے وہ اپنے سروں کو اٹھاتے اور ایک دوسرے سے کہتے: تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ نہ جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا، لیکن انہوں نے کہا: حق فرمایا وہ بلند اور بڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ آسمان والوں کے ہاں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔

ضحاک نے کہا: وہ فرشتے جو اہل زمین کی طرف آگے پیچھے آتے ہیں وہ لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھیجتا ہے۔ جب وہ نیچے آتے ہیں تو ان کی شدید آواز سنی جاتی ہے وہ فرشتے جو نیچے ہوتے ہیں وہ پھر گمان کرتے ہیں کہ قیامت کا حکم ہو گیا ہے، وہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور بے ہوش ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ انہیں علم ہو جاتا ہے کہ یہ قیامت کا امر نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ ہے اور اس بات کی خبر دینا ہے کہ فرشتے مخلوقات میں سے چنے ہوئے ہونے کے باوجود اور مقام کی رفعت کے باوجود وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ کسی کے حق میں شفاعت کریں یہاں تک کہ انہیں اجازت دی جائے۔ جب انہیں اجازت دی جاتی ہے اور وہ سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کا حال ہوتا ہے تو بت کیسے شفاعت کریں گے اور تم کیسے شفاعت کی امید رکھتے ہو جب کہ تم قیامت کا اعتراف نہیں کرتے؟

حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابن زید نے کہا: جب مشرکوں کے دلوں سے خوف ختم ہو جائے گا یہ آخرت میں موت کے نازل ہونے کے وقت ہوگا یہ اتمام حجت کے لیے ہوگا(1)۔ فرشتے انہیں کہیں گے: دنیا میں تمہارے رب نے کیا کہا؟ تو وہ کہیں گے: حق فرمایا، وہ بلند اور بڑا ہے۔ انہوں نے اس وقت اقرار کیا جب اقرار انہیں کوئی نفع نہیں دے گا، یعنی وہ کہیں گے اس نے حق فرمایا۔ عام قراءت فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا فَزَّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرف لوٹتی ہے۔ جس نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تو اس صورت میں جار اور مجرور محل رفع میں ہوں گے۔ فعل معنی میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا۔ دونوں قراءتوں کی صورت میں معنی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور کر دی جائے گی۔ جس طرح وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

اسی کی مثل اَشْکَاہ ہے جب اس نے اس چیز کو زائل کیا جس کی وہ شکایت کرتا تھا۔ حضرت حسن بصری نے قراءت کی فُزِعَ یہ عام قراءت کی مثل ہے مگر زاء میں تخفیف کی گئی ہے۔ جار اور مجرور محل رفع میں ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے:

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 324

انصرف عن کذا، إلی کذا، إنصرف فعل کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح فزع راء اور غین معجمہ تخفیف کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھتے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ سے یوں مروی ہے اور ان دونوں سے فرغ راء اور غین معجمہ کے ساتھ معروف کا صیغہ بھی مروی ہے۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے خوف کو دور فرما دیا۔ اسی طرف مجہول کی قراءت بھی لوٹتی ہے۔ حضرت حسن بصری سے فرغ تشدید کے ساتھ بھی قراءت مروی ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾

''آپ فرمائیے: کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے، خود ہی فرمائیے: اللہ، اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے''۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جب اس امر کا ذکر کیا کہ ان کے معبود ذرہ برابر اس چیز کے مالک نہیں جس پر رب قادر ہے اس امر کو موکد بیان کیا فرمایا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے کہو: مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان سے یعنی بارش، سورج، چاند، ستاروں اور ان سے جو رزق اور منافع حاصل ہوتے ہیں انہیں کون پیدا فرماتا ہے وَالْاَرْضِ اور وہ رزق جو زمین سے یعنی پانی اور نباتات سے نکلتے ہیں ان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ یہ کہیں: یہ ہمارے معبودوں کا فعل ہے، تو وہ کہتے ہیں: ہم نہیں جانتے، تو فرما دیجئے: اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ کرتا ہے وہ تمہارے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔ اگر وہ کہیں: اللہ تعالیٰ ہمیں رزق بہم پہنچاتا ہے، تو دلیل ثابت ہوئی کہ اس ذات کی عبادت کی جانی چاہیے۔

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یہ دلیل میں انصاف کے طریقہ پر ہے، جس طرح کوئی کہنے والا کہتا ہے: أحدنا کاذب ہم میں سے کوئی جھوٹا ہے جب کہ وہ جانتا ہے کہ وہ سچا ہے اور اس کا ساتھی جھوٹا ہے۔ معنی ہے ہم اور تم ایک امر پر نہیں بلکہ متضاد امور پر ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت ہدایت کی پابند ہے اور دوسری گمراہی پر ہے اور وہ تم ہو، تو صراحۃ جھٹلانے سے احسن انداز میں ان کو جھٹلا دیا۔ معنی ہے تم گمراہ ہو جب تم نے اس ذات کے ساتھ شرک کیا جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ اَوْ اِيَّاكُمْ یہ ان کے اسم پر معطوف ہے۔ اگر اس کا عطف اس کے محل پر ہوتا تو یہ أو انتم ہوتا لَعَلٰى هُدًى یہ اول کے لیے ہوگا غیر کے لیے نہیں ہوگا۔ جب تو کہے: أو ایاکم تو دوسرے کے لیے یہ اولی ہے اور اول سے حذف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ پہلے کے لیے ہو؛ یہ مبرد کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ اس کا معنی ایسے ہی ہوگا جس طرح صاحب بصیرت اپنے ساتھی کو وعید کی صحت اور واضح حجت کو ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہے: أحدنا کاذب جب کہ معنی معروف ہے۔

جس طرح تو کہتا ہے: انا افعل کذا و تفعل أنت کذا و أحدنا مخطئ میں ایسا کرتا ہوں اور تو ایسا کرتا ہے اور ہم میں سے ایک غلطی کرنے والا ہے جب کہ یہ معروف ہے کہ وہ خطا کار ہے۔ اسی طرح یہ کلام ہے: وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، او بصریوں کے نزدیک اپنے اصلی معنی میں ہے۔ یہ شک کے لیے نہیں، لیکن یہ جس طرح عرب استعمال کرتے ہیں اس قسم کے کلام میں اس معنی میں استعمال ہوتا ہے جب مخبر یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ وضاحت کرے جب کہ وہ معنی کو جانتا ہے۔

ابو عبیدہ اور فراء نے کہا: یہ او، واؤ کے معنی میں ہے اس کی تقدیر یہ ہے انا علی ھدی وایاکم فی ضلال مبین (1) جریر نے کہا:

أثعلبة الفوارس أو رياحا عدلتَ بهم طهَيّة والرَّبابا

اس شعر میں أو رياحا، و ریاحا کے معنی میں ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فلما اشتد أمر الحرب فينا تأملنا رياحا أو رِزاما

جب جنگ کا معاملہ ہمارے درمیان سخت ہوا تو ہم نے ہواؤں اور جنگجو لوگوں کی امید کی۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

”فرمائیے: تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کیے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی“۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا یعنی جو ہم نے جرم کیے ہیں وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور جو تم کرتے رہے ان کے بارے میں ہم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ جس امر کی طرف میں تمہیں دعوت دوں گا اس میں تمہارے بارے میں بھلائی کا ارادہ کرتا ہوں نہ کہ مجھے تمہارے کفر کا ضرر پہنچے گا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝ (الکافرون) اللہ تعالیٰ سب کو بدلہ دینے والا ہے۔ یہ آیت ایک دوسرے معاملہ کو ترک کرنے اور صلح پر دال ہے۔ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت آیت سیف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ۝

”فرمائیے: ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (وانصاف) کے ساتھ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے“۔

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا مراد یوم قیامت ہے۔ ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وہ فیصلہ فرمائے گا ہدایت یافتہ کو ثواب عطا فرمائے گا اور گمراہ کو سزا دے گا۔ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ وہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمانے والا ہے۔ الْعَلِیْمُ وہ مخلوق کے احوال سے آگاہ ہے۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

”فرمائیے: مجھے بھی دکھاؤ تو وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے ہرگز ایسا نہیں، بلکہ فقط وہی اللہ ہے جو زبردست بڑا دانا ہے“۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ یہاں أرونی رویت قلب سے تعلق رکھتا ہے۔ شرکاء مفعول ثالث ہوگا، یعنی مجھے اصنام اور اوثان کی پہچان تو کراؤ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے۔ کیا وہ کسی شے کی تخلیق میں شریک ہیں پس بیان کرو وہ کیا ہیں؟ ورنہ تم کیوں ان کی عبادت کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رویت بصر سے ہو تو پھر شرکاء حال ہوگا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 449

كَلَّا معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم گمان کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلَّا ان کے محذوف جواب کا رد ہے۔ گویا فرمایا: مجھے وہ دکھاؤ جن کو تم نے ان کا شریک بنایا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اصنام ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں یعنی اس کے شریک نہیں۔ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ بلکہ وہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر، لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور وہ کہتے ہیں: کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ فرمایئے: (اے منکرو!) تمہارے لیے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ (ایک لحہ) آگے بڑھ سکو گے''۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ زجاج نے کہا: مراد ہے ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر انذار اور ابلاغ کے ساتھ تمام لوگوں کو جمع کرنے والا۔ کافۃ یہ جامع کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام لوگوں کو روکنے والا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کفر سے روکنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ہا، مبالغہ کے لیے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے الا ذا کافۃ مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے، معنی بنتا ہے لوگوں کو اس سے روکنے والے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے دور بھاگیں یا انہیں کفر سے روکنے والے۔ اسی سے ہے: کف الثوب کیونکہ اس نے اس کی دونوں طرفوں کو ملایا۔ بَشِيْرًا جو اطاعت کرے اسے جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔ وَّنَذِيْرًا جو کفر کرے اس کو آگ سے خبردار کرنے والے۔ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ہے اس کو نہیں جانتے، جب کہ وہ مشرک ہیں۔ وہ اس وقت مومنوں سے تعداد میں زیادہ تھے۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یعنی قیامت برپا ہونے کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں کہیں: لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ اس کی تاخیر تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ میعاد کا معنی میقات ہے۔ اس میعاد سے مراد بعث کا وقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد موت کے حاضر ہونے کا وقت ہے، یعنی یوم قیامت سے قبل تمہارے لیے وقت معین ہے جس میں تم مر جاؤ گے تو تم میرے قول کی حقیقت جان لو گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس یوم سے مراد یوم بدر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر یہ دن ان کے عذاب کا دن تھا۔ نحویوں نے اس اعراب کو بھی جائز قرار دیا ہے مِّيْعَادُ يَوْمٍ اس تعبیر کی بنا پر کہ میعاد مبتدا ہو، یوم اس سے بدل ہو اور خبر لکم ہو۔ انہوں نے اس اعراب کو بھی جائز قرار دیا ہے میعاد یوما اس صورت میں یوما ظرف ہوگی عنہ کی ہا ضمیر یوم کی طرف لوٹے گی۔ یہ

صحیح نہیں میعاد یوم لا تستاخرون تنوین کے بغیر ہوگی۔ یوم کا لفظ مابعد کی طرف مضاف ہوگا جب تو ہاء کو یوم کی طرف لوٹنے والا مقدر کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ شے اپنی ذات کی طرف مضاف ہوگی اس کی وجہ وہ ہاء ہے جو جملہ میں موجود ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہاء میعاد کے لیے ہے یوم کے لیے نہیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ۭ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

”کفار (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں، کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے روبرو اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے، کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان دار ہوتے، جواب دیں گے متکبر، ان کمزوروں کو: کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے: (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسفر بنا دیں، اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو کیا کرتے تھے“۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مراد قریش کے کفار ہیں۔ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد کتب اور انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آخرت ہے۔ ابن جریج نے کہا: یہ قول کرنے والا ابو جہل بن ہشام ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اہل کتاب نے مشرکوں سے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہماری کتابوں میں ہے پس تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ جب انہوں نے سوال کیا تو اہل کتاب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 451

نے جو کہا تھا اسی کے موافق پایا۔ مشرکوں نے کہا: ہم اس قرآن پر اور اس پر جو اس سے قبل نازل ہوا یعنی تورات اور انجیل پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ہم سب کا انکار کرتے ہیں۔

وہ اس سے قبل اہل کتاب سے رجوع کرتے تھے اور ان کے قول سے دلیل پکڑتے تھے۔ اس سے ان کے کردار میں تضاد اور ان کے علم کی قلت ظاہر ہوگئی۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کے بارے میں خبر دی فرمایا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ وہ حساب کے میدان میں محبوس ہوں گے وہ ملامت اور عتاب کے ساتھ کلام کو ایک دوسرے کی طرف لوٹائیں گے جب کہ وہ دنیا میں دوست اور باہم مددگار تھے۔ لو کا جواب محذوف ہے جو یہ ہے لرایت امرا ھائلا فظیعا پھر یہ ذکر کیا جو ان کے درمیان گفتگو ہوئی، فرمایا: يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا کافروں میں سے جو دنیا میں کمزور تھے لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا جو قائدین اور رؤساء تھے۔ لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے۔ فصیح لغت لولا انتم ہے عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو لولاکم کہتے ہیں: اسے سیبویہ نے بیان کیا ہے لولا مضمر کو جر دیتا ہے اور اس کے بعد اسم ظاہر مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہوتا ہے اور اس کی خبر محذوف ہوتی ہے۔ محمد بن یزید کہتا ہے: لولاکم پڑھنا جائز نہیں کیونکہ مضمر مظہر کے پیچھے ہوتا ہے جب اسم ظاہر بالاجماع مرفوع ہے تو ضروری ہوگا کہ مضمر بھی مرفوع ہو۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى یہ استفہام انکار کے معنی میں ہے یعنی ہم نے تمہیں ہدایت سے نہیں روکا اور نہ ہی تمہیں مجبور کیا۔ بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ یعنی تم مشرک اور کفر پر مصر تھے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کلام عرب میں مکر کا اصل معنی حیلہ سازی کرنا اور دھوکہ دینا ہے یہ یوں باب چلتا ہے مَكَرَ بِهٖ يَمْكُرُ فھو ماکر و مَكَّارٌ۔ اخفش نے کہا: کلام اس تقدیر کی بنا پر ہے ھذا مکر اللیل والنھار۔ نحاس نے کہا: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے بلکہ تمہارا دن اور رات کو مکر یعنی تمہارا ہمارے ساتھ سرگوشی کرنا اور تمہارا ہمیں کفر کی طرف دعوت دینا اس نے ہمیں اس پر برانگیختہ کیا۔ سفیان ثوری نے کہا: بلکہ تمہارا دن اور رات کا عمل (1)۔ قتادہ نے کہا: بلکہ تمہارے دن اور رات کے مکر نے ہمیں روکا۔ مکر کو ان دونوں کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ یہ دن اور رات میں واقع ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ (نوح: 4) اجل کو اپنی ذات کی طرف مضاف کیا پھر فرمایا: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً (الاعراف: 34) کیونکہ اجل ان کی ہوتی ہے۔ یہ تیرے اس قول کے قبیل سے ہے: لیلہ قائم و نھارہ صائم مبرد نے کہا: بلکہ تمہارا دن رات کا مکر، جس طرح عرب کہتے ہیں: نھارہ نائم ولیلہ قائم اور جریر کا یہ شعر پڑھا:

لقد لُمْتِنَا یا اُمَّ غَیْلَانَ فی السُّرَی ونِمْتِ وما لیلُ المَطِیِّ بنائم (2)

اے ام غیلان! تو نے ہمیں رات کے چلنے پر ملامت کی اور تو خود سوگئی جب کہ سواری کی رات سوتی نہیں۔

سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 451 2۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 247

فنام لیلی و تجلی ھمی

میری رات سوگئی اور میرا غم عیاں ہوگیا۔

جریر کے شعر میں نعتُ فیہ کلام مقدر کی جائے گی۔

اس کی مثل وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (یونس:67) ہے۔ قتادہ نے پڑھا: مکرٌ اللیلَ والنہارَ مکر پر تنوین ہے اور اللیل والنہار پر نصب ہے تقدیر کلام یہ ہے بل مکر کائن فی اللیل والنہار تو اس سے کائن کو حذف کر دیا گیا۔ حضرت سعید بن جبیر بل مکر کاف کے فتحہ اور راء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ دور کے معنی میں ہے۔ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے یہ بھی جائز ہے کہ فعل مضمر کے ساتھ مرفوع ہو جس پر اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ دلالت کرتا ہے گویا جب انہوں نے ان کو کہا: کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا؟ انہوں نے کہا: بلکہ ہمیں رات اور دن کے مکر نے روکا تھا۔

سعید بن جبیر سے مروی ہے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کہا جب کہ رات اور دن کے گزرنے کی وجہ سے وہ غافل ہو گئے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: طویل عرصہ تک امن و سلامتی نے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ (الحدید:16) راشد نے بل مکر اللیل والنہار نصب کے ساتھ قراءت کی جس طرح تو کہتا ہے: رایتہ مقدم الحاج یہ اس صورت میں جائز ہے جو معرف باللام ہو اگر تو کہے رایتہ مقدم زید تو یہ جائز نہیں۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا، انداد کا معنی مشابہ، مثل اور نظیر ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: فلان ند فلان فلاں کی مثل ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ندید۔ یہ شعر پڑھا:

أینما تجعلون إلیّ ندا وما أنتم لذی حسب ندید

تم میرا مثل کیسے بناتے ہو جب کہ تم کسی شریف کے ہم پلہ نہیں۔

سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ انہوں نے ندامت کا اظہار کیا۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ یہ اخفاء اور ابداء کے معنی میں ہے۔ امرء القیس نے کہا:

تجاوزت أحراسا وأهوال مَعْشَرٍ علیّ حراصا لو یُسِرُّون مَقْتَلِی

محل استدلال لویسرون ہے۔ اسے یشرون بھی روایت کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ ندامت ان کے چہروں کے اسرار میں واضح ہوگئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ندامت ظاہر نہیں ہوئی، کیونکہ یہ دل میں ہوتی ہے۔ ندامت سے جو چیز متولد ہوتی ہے وہ ظاہر ہوتی ہے جس طرح اس کی وضاحت سورۂ یونس اور سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی ندامت کا اظہار ان کا یہ قول ہے: فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء) ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے باہم ندامت کا اظہار کیا اور اس کے بارے میں قول کو ظاہر نہ کیا جس طرح فرمایا: وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ (طٰہٰ)

وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، اغلال، غل کی جمع ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فی رقبتہ غل من حدید

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 451

اس کی گردن میں لوہے کا طوق ہے۔ اسی طرح برے اخلاق والی عورت کو کہتے ہیں: غل قمل اصل بات یہ تھی کہ طوق چمڑے کا بنا ہوتا جس پہ بال ہوتے تو اس میں جوئیں پڑ جاتیں۔

غللت یدہ إلی عنقہ، وقد غل فھو مغلول میں نے اس کا ہاتھ اس کی گردن میں جکڑ دیا اور وہ مغلول ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مالہ ال وغل نہ اس کی گدی پر ضرب لگانے والا ہے اور نہ ہی گلے میں طوق ہے۔ الغل اور الغلۃ کا معنی پیاس کی گرمی ہے اسی طرح غلیل ہے، اسی سے یہ قول کیا جاتا ہے: غُلَّ الرجل یُغَلُّ غلا فھو مغلول یہ مجہول کا صیغہ ہے؛ یہ جوہری سے مروی ہے یعنی پیروی کرنے والا اور جن کی پیروی کی جاتی تھی سب کی گردنوں میں طوق ڈال دیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں فریقوں کے علاوہ کے لیے بھی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ان کی طرف لوٹ رہا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کلام اس قول پر مکمل ہو جاتی ہے۔ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ پر کلام نئے سرے سے شروع کی اور فرمایا: وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ یعنی تمام کفار کے گردنوں میں ہم نے طوق ڈال دیے ہیں۔ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یعنی دنیا میں وہ جو عمل کرتے رہے اس کا بدلہ ہی انہیں دیا جائے گا۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا٘ فَاُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓىِٕكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝

''اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے: ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں اور کہتے: (تم کون ہو ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا۔ آپ فرمایئے: بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (ان حکمتوں کو) نہیں جانتے اور (یاد رکھو) نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں وہ تمہیں ہمارا قرب بخش دیں مگر جو ایمان اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا) پس یہ لوگ ہیں جن کے لیے دوگنا صلہ ہے ان کے عملوں کا اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے اور جو لوگ کوشاں ہیں ہماری آیتوں کی تکذیب میں تاکہ ہمیں ہرا دیں وہی لوگ عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے''۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ قتادہ نے کہا: مترفوھا سے مراد ان کے اغنیاء، ان کے رؤساء،

ان کے جابر لوگ اور شریروں کے قائدین ہیں انہوں نے رسولوں سے کہا: اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۞ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ہمیں تم پر اموال اور اولاد میں فضیلت دی گئی ہے۔ اگر تمہارا رب اس دنیا اور فضل پر راضی نہ ہوتا جس پر ہم ہیں تو وہ ہمیں ہر چیز عطا نہ کرتا۔ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ کیونکہ جو اس کے نزدیک اچھی حالت میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو رد کر دیا اور غنا سے انہوں نے جو استدلال کیا تھا اس کو رد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ جس کے حق میں چاہتا ہے رزق کو وسیع فرما دیتا ہے۔ وَ یَقْدِرُ اور جس کے حق میں چاہتا ہے اس میں کمی کر دیتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو اپنے بندوں میں رزق کے اعتبار سے فرق رکھتی ہے تاکہ ان کا امتحان لے ان میں سے کوئی بھی چیز انجام پر دلالت نہیں کرتی۔ دنیا میں رزق کی وسعت آخرت کی سعادت پر وال نہیں تم اپنے اموال اور اولاد کے بارے میں گمان نہ کرو کہ وہ کل تمہیں فائدہ دیں گے۔ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے کیونکہ وہ غور و فکر نہیں کرتے پھر تاکید کے طور پر فرمایا: وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى مجاہد نے کہا: زلفیٰ سے مراد قربیٰ ہے (1)۔ زلفة سے مراد قرابت ہے۔ اخفش نے کہا: یعنی قرب عطا کر دیں، یہ اسم مصدر ہے۔ قربیٰ محل نصب میں ہے، گویا فرمایا: جو تمہیں ہمارے قریب کر دے۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ التی اموال اور اولاد سب کے لیے ہے۔ اس کا ایک اور قول بھی ہے۔ یہ ابو اسحاق زجاج کا مذہب ہے معنی ہوگا: تمہارے اموال تمہیں ہمارے قریب نہیں کریں گے اور نہ ہی تمہاری اولادیں تمہیں قریب کریں گی پھر پہلی خبر کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسری خبر اس پر دلالت کرتی ہے۔ فراء نے یہ شعر پڑھا ہے:

نحن بما عندنا وأنت بما عندك راضٍ والرأيُ مختلفُ (2)

جو کچھ ہمارے پاس ہے ہم اس پر اور جو کچھ تمہارے پاس ہے تم اس پر راضی ہو رائے مختلف ہے۔

قرآن کے علاوہ میں اللتین، اللاتی، اللواتی، اللذین، الذین اولاد کے لیے خاص ہو۔ اموال ہمارے ہاں تمہارے درجے کو زائد نہ کریں گے اور تمہیں قرب عطا نہ کریں گے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے مگر جو ایمان لایا اور عمل صالح کیا تو اس کا مال اور اس کی اولاد دنیا میں اسے کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے۔ لیث نے طاؤس سے روایت نقل کی ہے وہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ایمان اور عمل عطا فرما، مجھے مال اور اولاد سے دور رکھ، جو تم نے وحی کی ہے میں نے اسے سنا ہے: وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا۔ (3)

میں کہتا ہوں: طاؤس کے قول میں نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ معنی ہے مجھے اس مال اور اولاد سے دور کر دے جو سرکشی کرنے والے ہیں یا جن میں کوئی بھلائی نہیں جہاں تک صالح مال اور صالح اولاد کا تعلق ہے صالح آدمی کے لیے تو وہ کتنا اچھا ہے۔ یہ بحث سورۂ آل عمران، سورۂ مریم اور سورۂ فرقان میں گزر چکی ہے۔ من محل نصب میں ہے مستثنیٰ منقطع ہے۔ مگر جو ایمان لایا اور اس نے عمل صالح کیا تو اس کا ایمان اور عمل صالح اسے میرے قریب کر دے گا۔ زجاج نے گمان کیا ہے کہ یہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 453 2۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 248 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 453

استثناء کے ساتھ محل نصب میں ہے اور تُقَرِّبُكُمْ میں کم ضمیر اس سے بدل ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول غلط ہے کیونکہ کم مخاطب کے لیے ہے اس لیے بدل جائز نہیں اگر یہ جائز ہو تو یہ بھی جائز ہو رأیتك زیدا۔

ابو اسحاق کا یہ قول فراء کا قول ہے مگر فراء بدل کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ یہ کوفیوں کا لفظ نہیں لیکن اس کا قول اس کی طرف لوٹتا ہے اس نے یہ گمان کیا ہے کہ اس کی مثل اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ (شعراء) یہ اس کے نزدیک ینفع کے ساتھ منصوب ہے۔ فراء نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ من محل رفع میں ہو، معنی ہو ماهو الا من آمن اس نے اسی طرح کیا ہے میں اس کا معنی نہیں سمجھتا۔

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا اس سے مراد یہی قول ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام:160) ضعف کا معنی زیادتی ہے، یعنی ان کے لیے کئی گنا بدلہ ہے یہ اس باب سے ہے کہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے کئی گنا بدلہ ہے۔ ضعف جمع کے معنی میں ہے ضعف کی نسبت جزا کی طرف اسی طرح ہے جس طرح شی کی نسبت اس کی ذات کی طرف ہوتی ہے، جس طرح حق الیقین، صلاۃ الاولی، یعنی ان کے لیے کئی گنا بدلہ ہے، ایک کے بدلہ میں دس اور اس سے زیادہ جتنا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے۔

اس آیت سے استدلال کیا ہے اس نے جس نے غنا کو فقر پر فضیلت دی۔ محمد بن کعب نے کہا: مومن جب غنی اور متقی ہو اللہ تعالیٰ اسے اس آیت کی وجہ سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ عام قراءت جزاء الضعف ہے یعنی مضاف مضاف الیہ ہے۔ زہری، یعقوب اور نصر بن عاصم نے جزاء کو منصوب منون اور الضعف کی رفع کے ساتھ قراءت کی ہے یعنی ان کے لیے کئی گنا جزا ہے۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ جزاءٌ الضعف یعنی انہیں کئی گنا بدلہ دیا جائے گا۔ جزاء الضعف یہ دونوں مرفوع ہیں۔ الضعف یہ جزاء سے بدل ہے۔ جمہور نے فی الغرفات جمع پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ قول ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا (العنکبوت:58) اسے فی الغرفات راء کے ضمہ، فتحہ اور سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے (1)۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور خلف نے فی الغرفة واحد کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ (الفرقان:75) الغرفة سے بعض اوقات اسم جمع اور اسم جنس مراد لیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ یاقوت، زبرجد اور موتیوں کے کمرے ہیں۔ اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اٰمِنُوْنَ وہ عذاب، موت، بیماریوں اور غموں سے امن میں ہوں گے۔ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا جو ہمارے ادلہ، حجت اور ہماری کتاب کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مُعٰجِزِيْنَ عناد کرتے ہوئے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہم سے اپنے آپ کو بچا لیں گے۔ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ زبانیہ انہیں جہنم میں حاضر کریں گے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 3، صفحہ 586

''آپ فرمائیے: بے شک میرا پروردگار کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے''۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ اسے تاکید کے لیے مقرر ذکر کیا۔ **وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ** اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال اور اولاد سے دھوکہ کھانے والوں کو کہیے: اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اس میں تنگی کر دیتا ہے تم اموال اور اولاد سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اسے خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جو بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔ اس میں اضمار ہے، تقدیر کلام یہ ہے: فهو يخلفه عليكم یہ جملہ بولا جاتا ہے: أخلف له، أخلف عليه یعنی تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ یہ بدل دنیا میں ہوگا یا آخرت میں ہوگا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ہر وہ دن جس میں لوگ صبح کرتے ہیں اس میں دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما اور بخل کرنے والے کو ہلاکت عطا فرما''(1)۔

اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ارشاد فرمایا: خرچ کرو، خرچ کرو''(2)۔ یہ اس بدلے کی طرف اشارہ ہے جو خرچ کیے ہوئے مال کے بدلہ میں دیا جاتا ہے جب خرچہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں ہو۔ بعض اوقات دنیا میں بدلہ نہیں دیا جاتا جس طرح دعا ہوتی ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ خواہ دعا قبول ہو جائے، گناہوں کا کفارہ بن جائے یا ذخیرہ کر لیا جائے۔ یہاں ذخیرہ کیا جانا اجر کی مثل ہوتا ہے۔

مسئلہ: دار قطنی، ابو احمد بن عدی نے عبد الحمید ہلالی سے وہ محمد بن منکدر سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر نیکی صدقہ ہے جو آدمی اپنی ذات اور اپنے اہل پر خرچ کرتا ہے تو اس کے حق میں صدقہ لکھ لیا جاتا ہے جس کے ساتھ آدمی اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے تو وہ بھی صدقہ ہے۔ اور جو بندہ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کا بدل ہے، مگر وہ مال جو عمارت بنانے یا معصیت میں خرچ کیا جائے''۔ عبد الحمید نے کہا: میں نے ابن منکدر سے کہا: ما وقى الرجل عرضه سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ کسی شاعر اور زبان دراز کو مال دیتا ہے۔ عبد الحمید کو ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو اس نے معصیت میں مال خرچ کیا تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نہ اسے بدلہ دیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا بدل دیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس عمارت کا تعلق ہے جو ضروری تھی جس کے ساتھ انسان اپنا پردہ کرتا ہے اور اپنی حفاظت کرتا ہے تو اسے اس کا بدل بھی دیا جاتا ہے اور اس کے بنانے پر اجر بھی دیا جاتا ہے، اسی طرح جو آدمی اپنے جسم کی حفاظت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، بیان الصدقۃ یقع علی کل نوع، جلد 1، صفحہ 325

2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، الحث علی النفقۃ، جلد 1، صفحہ 322

اور ستر عورت کے لیے مال خرچ کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان چیزوں کے علاوہ بندے کا کوئی حق نہیں گھر جس میں وہ سکونت اختیار کر لے، کپڑا جس کے ساتھ وہ پردہ کا اہتمام کرے، روٹی کی کور یعنی ٹکڑا اور پانی'' (1)۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ جب انسان کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ اپنے عیال کو رزق دیتا ہے اور امیر اپنے لشکر کو کھلاتا ہے۔ کہا: وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ مخلوق میں سے رزق دیتا ہے لیکن یہ ایسا مال ہوتا ہے جن کا وہ مالک ہوتا ہے پھر یہ مال ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے خزانوں سے رزق دیتا ہے جو فنا نہیں ہوتے اور ختم بھی نہیں ہوتے۔ جو کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف نکالے وہی حقیقت میں رازق ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ (الذاریات)

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝

''اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا: کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے: تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے، ہمارا ان سے کیا واسطہ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے''۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ متصل ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ (سبا: 31) یعنی اگر آپ انہیں اس حالت میں دیکھتے تو خوفناک امر دیکھتے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد وہ اور اس کی امت ہے۔ پھر فرمایا: کاش آپ انہیں اس دن بھی دیکھتے جس روز ہم ان تمام عبادت گزاروں اور معبودوں کو جمع کریں گے، یعنی حساب کے لیے انہیں جمع کریں گے۔ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: یہ استفہام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (المائدہ: 116) نحاس نے کہا: معنی ہے جب فرشتوں نے ان کی تکذیب کی تو اس میں ان کو لاجواب کرنا تھا۔ یہ استفہام عبادت کرنے والوں کی توبیخ کے لیے ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تیرے لیے پاکی ہے۔ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ یہ تو ہمارا وہ رب ہے جس کو ہم اپنا ولی بناتے ہیں، ہم اس کی اطاعت کرتے ہیں، ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے لیے عبادت کو خاص کرتے ہیں۔ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ وہ ابلیس اور اس کے مددگاروں کی اطاعت کرتے ہیں۔ تفاسیر میں ہے: ایک قبیلہ تھا جسے بنو ملیح کہتے ہیں یہ بنو خزاعہ کی شاخ تھی وہ جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے وہ گمان کرتے تھے کہ جن ان کو دیکھتے ہیں اور وہ ملائکہ ہیں، وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (الصافات: 158) کا یہی معنی ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، ما جاء فی الزہد فی الدنیا، جلد 2، صفحہ 57۔ حدیث نمبر 2263، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝

''پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ نقصان کی، اور ہم کہیں گے جنہوں نے ظلم کیا تھا کہ چکھو آتش (جہنم) کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

نَّفْعًا سے مراد شفاعت اور نجات ہے۔ ضَرًّا سے مراد عذاب اور ہلاکت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے اپنی عبادت کرنے والوں سے تکلیف دور نہیں کر سکتے مضاف کو حذف کر دیا گیا، یعنی اصل میں دفع ضر تھا۔ یہ جائز ہے کہ قائل اللہ تعالیٰ کی ذات ہو یا فرشتے ہوں وہ کہیں: ذُوْقُوْا۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں ہماری آیتیں درآنحالیکہ وہ بالکل واضح ہیں کہتے ہیں: نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جس نے ارادہ کر لیا ہے کہ روک دے تمہیں ان (معبودوں) سے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے نیز کہتے ہیں: نہیں ہے یہ قرآن مگر جھوٹا گھڑا ہوا اور کفار کہتے ہیں حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آیا کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا کھلا''۔

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ رَجُلٌ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اٰبَآؤُكُمْ سے مراد تمہارے اسلاف ہیں یعنی تمہارے اسلاف جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ مَا هٰذَاۤ، هٰذَاۤ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ نہیں ہے مگر گھڑا ہوا جھوٹ ہے اور کبھی کہتے ہیں: یہ جادو ہے اور کبھی کہتے ہیں: یہ من گھڑت بات ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے کچھ نے کہا: یہ جادو ہے اور کچھ نے کہا: یہ من گھڑت بات ہے۔

وَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝ وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝

''اور نہ ہی ہم نے انہیں کوئی کتابیں دیں جن کا یہ مطالعہ کرتے ہوں اور نہ ہم نے بھیجا ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا۔ اور (انبیاء کی) تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (قوت، دبدبہ) ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو کتنا ہولناک تھا میرا عذاب''۔

وَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا جو آپ پیغام حق لائے ہیں انہوں نے اس کے باطل ہونے کا اس کتاب میں نہیں پڑھا جو کتاب ان کو دی گئی اور جو رسول ان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اس سے باطل ہونے کا نہیں سنا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ (الزخرف) ان کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں جس سے وہ استدلال کریں اور کوئی شبہ اس سے متعلق ہے جس طرح اہل کتاب کہتے ہیں اگرچہ وہ باطل پرست ہیں: ہم اہل کتاب اور اہل شریعت ہیں۔ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول کی طرف منسوب ہیں پھر اپنے حق کو ارشاد کے ساتھ ان کے جھٹلانے پر انہیں وعید سنائی: وَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل اقوام نے ان کو جھٹلایا جو پکڑ میں ان سے سخت تھے، اولاد اور اموال میں ان سے بڑھ کر تھے، خوشحال تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا جس طرح قوم ثمود اور قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔

وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ اہل مکہ ان امتوں کے دسویں حصہ تک بھی نہیں پہنچے۔ معشار اور عشر برابر ہیں۔ دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معشار دسویں کا دسواں حصہ ہے۔ جوہری نے کہا: معشار الشی سے مراد اس شے کا دسواں حصہ ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ معشار، عشر کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ان سے پہلے تھے شکر میں اس کے دسویں حصہ تک بھی نہ پہنچے جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا، نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان سے قبل لوگوں کو اس کا دسواں حصہ عطا کیا جو انہیں علم، بیان، حجت اور برہان عطا کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بڑھ کر علم والی نہیں اور اس کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب بین نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معشار یہ عشیر کا دسواں ہے۔ عشیر یہ عشر کا دسواں حصہ ہے پس یہ ہزار کا ایک جز ہو گا۔ ماوردی نے کہا: یہ زیادہ نمایاں ہے کیونکہ قلت کا اظہار کرنے میں مبالغہ کا اظہار ہے (1)۔

فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ امتوں میں میرا عقاب کیسے تھا؟ اس میں کلام محذوف ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہے فاهلكناهم فكيف كان نكير۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ﴿۴۶﴾

''(اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے: میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ تو مان لو) کہ تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ دو دو یا اکیلے اکیلے پھر خوب سوچو (تمہیں ماننا پڑے گا) تمہارے اس رفیق میں جنون کا شائبہ تک نہیں نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے''۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ مشرکوں پر حجتوں کو مکمل کر دیا، یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما دیجئے: اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ تم جس پر ہو میں اس کے برے انجام سے تمہیں نصیحت کرنے اور ڈرانے والا ہوں۔ بِوَاحِدَةٍ، واحدة کا موصوف کلمة محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے بكلمة واحدة میں تمہیں ایسی بات کی نصیحت کرنے والا ہوں جو تمام کلام کو جامع ہے، جو شرک کی نفی اور معبود

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 455

برحق کو ثابت کرتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی کا قول ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد اللہ کی طاعت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد قرآن ہے کیونکہ یہ تمام مواعظ کو جامع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی تقدیر کلام یہ ہے بخصلة واحدة پھر ان کے ساتھ اس کی وضاحت کی۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى، ان محل جر میں ہے اور یہ واحدۃ سے بدل ہے یا محل رفع میں ہے اور مبتدا مضمر ہے، تقدیر کلام یہ ہے ھی أن تقوموا۔ زجاج کا مذہب یہ ہے کہ یہ محل نصب میں ہے اور یہ لان تقوموا کے معنی میں ہے۔ اس قیام کا معنی حق کی طلب میں کمربستہ ہو جانا ہے اس سے مراد وہ قیام نہیں جو قعود (بیٹھنے) کی ضد ہے، یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: قام فلان بامر کذا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ (النساء: 127) مثنی و فرادی یعنی اکیلے اکیلے اور مجتمع ہو کر؛ یہ سدی کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنی رائے میں منفرد اور غیر سے مشورہ لیتے ہوئے (2)۔ یہ ایسا قول ہے جو منقول ہے۔ قتبی نے کہا: غیر کے ساتھ بحث و تمحیص کرتے ہوئے اور اپنے دل میں سوچ و بچار کرتے ہوئے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مثنی سے مراد دن کا عمل اور فرادی سے مراد رات کا عمل ہے، کیونکہ دن میں وہ معاون ہوتا ہے اور رات میں تنہا ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرمایا: مَثْنٰى وَ فُرَادٰى کیونکہ دین بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے یہی عقل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وافر عقل عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں وافر حصہ عطا فرمایا۔ جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو فکر ایک ہوتی ہے اور جب دو دو ہوتے ہیں تو دو ذہن بالمقابل ہوتے ہیں تو دونوں کے لیے ایسا علم ظاہر ہوتا ہے جو منفرد سے کئی گنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ابو حاتم اور ابن الانباری کے نزدیک وقف ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وقف کا محل نہیں، کیونکہ معنی ہے پھر تم غور و فکر کرو کیا تم نے اپنے صاحب کے بارے میں جھوٹ کا تجربہ کیا ہے یا تم نے اس میں جنون کے آثار دیکھے ہیں یا اس کے احوال میں فساد دیکھا ہے یا اس کے پاس آتے جاتے ہوئے دیکھا ہے جو جادو کیے جانے کا وعدہ کرتا ہو یا اس نے کسی سے قصے کہانیاں سیکھے ہوں یا کتابیں پڑھی ہوں؟ تم نے انہیں اس حال میں پہچانا ہو کہ یہ تمہارے اموال میں طمع رکھتے ہوں یا ایک سورت میں ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہو؟ جب تم اس فکر کے ذریعے اس کی سچائی کو پہچان چکے ہو تو اس دشمنی کا کیا مقصد؟۔

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿﴾ (الشعراء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ صفا کی پہاڑی پر چڑھے تو بلند آواز سے ندا کی: یا صباحاہ؟ لوگوں نے کہا: یہ کون آواز دے رہا ہے؟ دوسرے لوگوں نے بتایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 456　　2۔ ایضاً

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بنی فلاں! اے بنی فلاں! اے بنی عبد مناف! اے بنی عبد المطلب!'' سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ فرمایا: ''مجھے بتاؤ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ ایک گھڑسوار دستہ اس پہاڑ کے پیچھے سے نکلے گا، کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' سب نے کہا: ہمارا آپ کے بارے میں جھوٹ کا تجربہ نہیں۔ فرمایا: ''میں تمہیں آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں''۔ تو ابولہب نے کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اس کے لیے جمع کیا تھا؟ تو یہ سورت تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (الہب) نازل ہوئی۔ اعمش نے آخر تک سورت کی قراءت کی۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾

''فرمائیے: (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو میری (دلسوزیوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے''۔

مِّنْ اَجْرٍ سے رسالت کی تبلیغ پر انعام (1)، یعنی اگر میں نے تم سے انعام کا مطالبہ کیا ہے تو وہ تمہارے لیے ہے۔ شَهِیْدٌ سے مراد تاڑنے والا، عالم اور حاضر ہے یعنی میرے اعمال اور تمہارے اعمال سے آگاہ ہے اس پر کوئی امر مخفی نہیں وہ سب کو بدلہ دے گا۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾

''فرمائیے: بے شک میرا رب (باطل پر) حق سے ضرب لگاتا ہے وہ سب غیبوں کو جاننے والا ہے''۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ وہ حجت کو ظاہر کرتا ہے اور بیان کرتا ہے۔ قتادہ نے کہا: بِالْحَقِّ سے مراد وحی ہے ان سے یہ بھی مروی ہے: الحق سے مراد قرآن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عَلَّامُ الْغُیُوْبِ باطل پر حق کے ساتھ ضرب لگاتا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے اسے پڑھا علام الغیوب کہ یہ بدل ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: قل ان ربی علام الغیوب یقذف بالحق۔ زجاج نے کہا: یہاں عَلَّامُ الْغُیُوْبِ پر رفع دو وجوہ سے ہے کیونکہ یہ رفع کا محل ہے یا یَقْذِفُ میں جو ضمیر ہے اس سے یہ بدل ہے۔ نحاس نے کہا: رفع میں دو اور وجوہ بھی ہیں۔ یہ خبر کے بعد خبر ہو۔ مبتدا مضمر ہو۔ فراء نے گمان کیا: اس جیسی صورت میں رفع کلام عرب میں اکثر ہوتا ہے جب وہ ان کی خبر کے بعد آئے، اس کی مثل یہ ہے: اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ (ص) اسے الْغُیُوْبِ غین کی تین حرکتوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ الْغُیُوْبِ یہ البیوت کی طرح ہے۔ الغیوب یہ الصبور کی طرح ہے۔ اس سے مراد ایسا امر ہے جو بہت ہی زیادہ غائب اور مخفی ہو۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾

''(اے محبوب!) اعلان کر دیجئے: حق آ گیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا''۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 251

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ الحق سے مراد قرآن ہے(1)۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے جاء صاحب الحق یعنی ایسی کتاب جس میں براہین اور دلائل ہیں۔ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ قتادہ نے کہا: اس سے مراد شیطان ہے، یعنی شیطان کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا۔ وَمَا يُعِيْدُ، ما نافیہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما استفہامیہ ہو، یہ ای شیء کے معنی میں ہوگا۔ یعنی حق آگیا تو باطل کے لیے کیا چیز باقی رہ گئی ہے کہ وہ اسے لوٹائے اور اسے نئے سرے سے شروع کرے یعنی کوئی چیز باقی نہیں بچی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَ اِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝

"فرمایئے: (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال میری جان پر ہوگا، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو (محض) اس وحی کے باعث جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے، بے شک وہ سب کچھ سننے والا بالکل نزدیک ہے"۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار نے کہا: تو نے اپنے آباء کے دین کو ترک کر دیا ہے اور تو گمراہ ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو اگر میں گمراہ ہوگیا ہوں جس طرح تم گمان کرتے ہو تو اس کا وبال میری ذات پر ہے۔ عام قراءت لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یحییٰ بن وثاب اور دوسرے علماء نے پڑھا: قل ان ضَلِلت یعنی لام کے نیچے کسرہ ہے اور اَضَل کے ضاد پر فتحہ دیا۔ ضلال اور ضلالت یہ ارشاد کی ضد ہے۔

قد ضللت اضل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ یہ نجد کی لغت ہے۔ یہ فصیح لغت ہے۔ اہل عالیہ کہتے ہیں: ضللت، اضل یعنی میری گمراہی کا گناہ میری ذات پر ہے۔ وَ اِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ میرا رب میری طرف حکمت اور بیان کی جو وحی کرتا ہے اس وجہ سے میں ہدایت پر ہوں۔ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ جو مجھ کو بلائے میں اس کی بات سننے والا ہوں اور دعا قبول کرنے میں قریب ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نظم کلام یوں ہے کہہ دیجئے: میرا رب حق کے ساتھ باطل پر ضرب لگاتا ہے اور حجت کو واضح کرتا ہے جو آدمی گمراہ ہے اس کی گمراہی حجت کو باطل نہیں کرتی۔ اگر میں گمراہ ہوں گا تو اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤں گا نہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حجت کو باطل کر دے۔ جب میں ہدایت یافتہ ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کیونکہ اس نے مجھے حجت پر ثابت قدم رکھا، بے شک وہ سمیع ہے قریب ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝

"کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے"۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ کفار کے احوال ایسے وقت میں ذکر کیے جس میں وہ حق کی معرفت کے محتاج ہوں گے معنی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 457

ہے اگر آپ دنیا میں دیکھتے جب موت ان پر نازل ہوئی یا اللہ تعالیٰ کی ان پر جو پکڑ نازل ہوئی؛ یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد صیحہ کی وجہ سے ان کا قبروں میں خوفزدہ ہونا ہے (1)۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: یہ گھبراہٹ اس وقت ہوئی جب وہ قبروں سے نکلیں گے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ابن مغفل نے کہا: جب وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے عقاب کو دیکھیں گے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد غزوہ بدر کے روز ان کا ڈرنا ہے جب فرشتوں کی تلواروں سے ان کی گردنیں اڑائی گئیں تو نہ وہ بھاگ سکے اور نہ ہی توبہ کی طرف رجوع کر سکے (2)۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد وہ لشکر ہے جو بیداء کے مقام پر دھنسایا جائے گا ان میں سے ایک آدمی باقی رہ جائے گا تو وہ لوگوں کو اس کے بارے میں بتائے گا جو اس کے ساتھیوں کو مصیبت لاحق ہوئی تو وہ سب گھبرا جائیں گے (3)۔ یہی ان کی فزع ہے۔ فَلَا فَوْتَ ان کے لیے کوئی نجات نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ان کے بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ، مَّكَانٍ قَرِيْبٍ سے مراد قبریں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جہاں کہیں ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں گے وہ اس سے دور نہیں جا سکیں گے اور نہ ہی اس کو غائب پائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ان اسی ہزار افراد کے بارے میں آیت نازل ہوئی جو کعبہ پر حملہ کریں گے تاکہ اس کو گرا دیں۔ جونہی وہ بیداء میں داخل ہوں گے انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ یہی قریب جگہ سے پکڑنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب "التذکرہ" میں کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اور ایک ایسے فتنہ کا ذکر کیا جو اہل مشرق اور اہل مغرب کے درمیان ہوگا۔ وہ اس طرح ہوں گے کہ جلد ہی خشک وادی سے ان پر سفیانی نکلے گا، یہاں تک کہ وہ دمشق میں اترے گا وہ دو لشکر روانہ کرے گا ایک لشکر مشرق کی طرف اور ایک لشکر مدینہ طیبہ کی طرف۔ لشکر مشرق کی طرف چلے گا یہاں تک کہ لشکری بابل کے علاقہ میں اتریں گے جو ملعون شہر ہے اور خبیث علاقہ ہے مراد بغداد کا علاقہ ہے۔ وہ تین ہزار سے زائد افراد کو قتل کریں گے اور سو سے زائد عورتوں تک رسائی حاصل کریں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے تین سو سرداروں کو قتل کریں گے پھر وہ شام کی طرف نکلیں گے۔ کوفہ سے ہدایت کا علم بلند ہوگا اور دونوں میں اس لشکر تک جا پہنچے گا۔ وہ ان کو قتل کریں گے۔ ان میں سے کوئی خبر دینے والا بھی نہیں بچے گا۔ ان کے ہاتھوں میں جو قیدی اور مال غنیمت ہوگا وہ اس کو اچھا خیال نہ کریں گے۔ اس کا دوسرا لشکر مدینہ طیبہ فرو کش ہوگا۔ وہ تین دن اور تین راتوں تک اہل مدینہ کو ڈراتا رہے گا۔ پھر مکہ مکرمہ کے ارادہ سے وہ لشکری نکلیں گے یہاں تک کہ جب وہ بیداء کے مقام ہوں گے اللہ تعالیٰ جبریل امین کو بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے جبریل! جاؤ ان کو ہلاک کر دو۔ حضرت جبریل امین اپنے پاؤں سے انہیں ایک ٹھوکر ماریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا، اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ سے یہی مقصود ہے ان میں سے صرف دو آدمی بچیں گے۔ ان میں سے ایک خوشخبری سنانے والا اور ایک ڈرانے والا ہوگا۔ یہ دونوں جہینہ سے تعلق رکھتے

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 328 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 458 3۔ ایضاً

ہوں گے۔ اسی وجہ سے یہ قول آیا ہے: وعند جهينة الخبر اليقين جہینہ کے ہاں یقینی خبر ہے"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ یعنی ان کی روحیں وہاں ہی قبض کر لی جائیں گی اور موت سے فرار ان کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ یہ تعبیر اس آدمی کے قول کے موافق ہے جو یہ کہتا ہے یہ گھبراہٹ نزع کے وقت ہوگی۔ یہ احتمال بھی موجود ہے یہ اس فزع سے ہو جو اجابہ (قبول کرنا) کے معنی میں ہو، یہ جملہ بولا جاتا ہے: فزع الرجل یعنی اس نے چیخنے والے کو جواب دیا جو خوف نازل ہونے کے وقت مدد کے لیے چیخ رہا تھا۔ اسی معنی میں حدیث طیبہ ہے: جب آپ نے انصار سے فرمایا: "طمع کے وقت تم کم ہوتے ہو اور جنگ کے وقت زیادہ ہوتے ہو"۔ جس نے کہا: دنیا میں خسف اور قتل سے مراد یوم بدر ہے۔ کہا: آخرت میں پکڑ سے قبل دنیا میں پکڑ لیے گئے۔ جس نے کہا: یہ قوم قیامت کی گھبراہٹ ہے اس نے کہا: انہیں زمین کے اندر سے اس کے ظاہر کی طرف پکڑا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ سے مراد ہے انہیں جہنم سے پکڑا گیا اور اس میں پھینک دیا گیا۔

وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾

"اس وقت کہیں گے: ہم ایمان لے آئے ان پر لیکن اب کیونکر پا سکتے ہیں ایمان کو اتنی دور جگہ سے"۔

وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ہا ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد الله تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد بعث ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: التناوش سے مراد لوٹنا ہے (2) یعنی وہ دنیا کی طرف لوٹنے کا مطالبہ کریں گے تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔ یہ مطالبہ کتنا ہی حقیقت سے دور ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

تمنّى أن تئوب إلىّ مَیٌّ وليس إلى تنا وشها سبيل(3)

مَی نے آرزو کی کہ میری طرف لوٹ آئے جب کہ اس کے لوٹنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

سدی نے کہا: اس سے مراد توبہ ہے، یعنی انہوں نے توبہ طلب کی جب کہ وہ دور ہو چکی تھی کیونکہ توبہ تو دنیا میں قبول ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: التَّنَاوُشُ سے مراد پانا اور حاصل کرنا ہے۔ ابن سکیت نے کہا: ایک آدمی جب کسی آدمی کی طرف بڑھے تاکہ اس کا سر اور اس کی داڑھی پکڑے تو اس کے لیے یہ فعل ذکر کیا جاتا ہے: ناشه، ينوشه، نوشا۔ اور یہ شعر پڑھا:

فهي تنوش الحض نَوْشًا مِن عَلَا نَوْشًا به تَقْطَع أجوازَ الفلا(4)

یعنی وہ اونٹ حوض کے پانی کو اوپر سے پیتے ہیں اور بہت زیادہ پیتے ہیں جس کے ساتھ جنگلوں کے وسط کو طے کرتے ہیں، انہیں کسی اور پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کہا: اسی معنی میں جنگ میں مناوشہ ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب دونوں فریق جنگ میں قریب ہو جاتے ہیں۔

رجل نووش سخت پکڑ والا آدمی۔ التناوش کا معنی پکڑنا اور لینا ہے۔ انتیاش کا بھی یہی معنی ہوتا ہے۔ راجز نے کہا:

كانت تنوش العنق انتياشا

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 329 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 459 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وہ گردنوں کو پکڑتے ہیں۔

وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آخرت میں ان کا ایمان کو پانا کیسے ممکن ہے جب کہ انہوں نے دنیا میں کفر کیا۔ ابو عمرو، کسائی، اعمش اور حمزہ نے کہا: اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاؤُشُ یہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ اس قراءت کو بعید خیال کرتے تھے، کیونکہ التناوش جب ہمزہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بعد ہوتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے، بعید مکان سے ان کے لیے بعد کیسے تصور کیا جا سکتا ہے؟ ابو جعفر نے کہا: قراءت جائز اور حسن ہے۔ کلام عرب میں اس کی دو وجوہ ہیں: یہ بعید ی تاویل اس کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔ دونوں وجوہ میں سے ایک یہ ہے کہ اصل مہموز نہ ہو پھر واؤ کو ہمزہ بنا دیا گیا کیونکہ اس میں حرکت خفیف ہوتی ہے۔ یہ کلام عرب میں اکثر ہوتا ہے مصحف میں جسے جماعت نے جماعت سے نقل کیا ہے وہ ہے وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؈ (المرسلات) اصل میں یہ وقتت تھا، کیونکہ یہ وقت سے مشتق ہے۔ دار کی جمع ادؤر کہی جاتی ہے۔ ایک اور وجہ جسے ابو اسحاق نے ذکر کیا ہے یہ نئیش سے مشتق ہے اس سے مراد آہستہ آہستہ حرکت ہے، یعنی ان کے لیے حرکت کہاں سے ہوگی اس چیز میں جو دور ہو چکی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: ناشنت الشی میں نے اسے دور سے پکڑا۔ النئیش سے مراد ست شے ہے۔ جوہری نے کہا: التناوش سے مراد پیچھے ہونا اور دور ہونا ہے۔ قد ناشت الأمر أناشه ناشا فانتاش میں نے اسے مؤخر کیا اور وہ مؤخر ہو گیا۔ یہ کہا جاتا ہے: فعلہ نئیشا اس نے آخر میں کیا۔

شاعر نے کہا:

تمنى نئيشا أن يكون أطاعني وقد حدثت بعد الأمور أمور

اس نے آخر میں آرزو کی کہ وہ میری اطاعت کرے جب کہ نئے امور یکے بعد دیگرے واقع ہو چکے تھے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تعدت زمانا عن طلابك للعلا وجئت نئيشا بعد مافاتك الخبر

میں ایک زمانہ تک بیٹھا رہا جب کہ تو بلندی کا طالب تھا میں اخیر میں آیا جب کہ تجھ سے خبر فوت ہو چکی تھی۔

فراء نے کہا: تناوش میں ہمزہ کو لانا اور ہمزہ کو ترک کرنا قریب قریب ہے جس طرح ذمت الرجل اور ذأمته دونوں کا معنی ہے میں نے اس پر عیب لگایا۔ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ یعنی آخرت سے۔ ابو اسحاق تیمی سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: وَ اَنّٰى لَهُمُ یعنی لوٹنا۔ انہوں نے لوٹنے کا سوال کیا جب کہ وہ لوٹنے کا وقت نہیں۔

وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ؐ

''حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے اس سے پہلے اور دور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں کرتے رہے''۔

وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ ہا ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ مِنْ قَبْلُ یعنی دنیا میں۔ وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ عرب ہر ایسے شخص کے بارے میں کہتے ہیں جو ایسی گفتگو کرتا ہے جو مناسب نہیں: وتی: ھو یقذف ویرجم بالغیب۔ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ جو آدمی پتھر پھینکتا ہے اور وہ صحیح جگہ نہیں پہنچتا، اس کے لیے

تمثیل کے طریقہ پر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ ظن وتخمین کرتے ہیں اور کہتے ہیں: کوئی دوبارہ اٹھانا نہیں، کوئی نشور نہیں (1)، کوئی جنت نہیں اور کوئی دوزخ نہیں۔ وہ یہ باتیں ظن وتخمین کے طور پر کرتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ جادو ہے، یہ شعر ہے اور یہ پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ وہ حضرت محمد علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں ایسی بات کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: یہ جادوگر، شاعر، کاہن اور مجنون ہیں۔

مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ اللہ تعالیٰ نے انہیں بعید کر دیا ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی سچائی کو جانیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دل سے دور ہونے کا ارادہ کیا ہے یعنی ان کے دلوں سے دور جگہ۔ مجاہد نے قراءت کی وَيُقْذَفُوْنَ بِالْغَيْبِ فعل مجہول ہے۔ یعنی انہیں پھینکا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو انہیں گمراہ کرتا تھا اور بہکاتا تھا اسے ان کی طرف پھینکا جائے گا۔

وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۟

''اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے جیسے ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا، وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا''۔

وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ یعنی ان کے درمیان اور ان کی نجات کے درمیان عذاب حائل ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے درمیان اور دنیا میں جو وہ اموال اور اہل کے خواہش کرتے تھے ان کے درمیان عذاب حائل ہو جائے گا۔ قتادہ کا مذہب ہے جب انہوں نے عذاب دیکھا تو اس وقت وہ خواہش رکھتے تھے کہ ان کی جانب سے یہ قبول ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کو بجا لائیں اور باقی چیزوں سے رک جائیں، تو ان کے درمیان اور ان کی خواہش کے درمیان رکاوٹ قائم کر دی جائے گی، کیونکہ اس کا وقت دنیا تھا اور اس وقت میں یہ چیز زائل ہو چکی ہے۔ اصل حول ہے واؤ کی حرکت حاء کو دی گئی تو واؤ یاء ہو گئی۔

كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ، اشیاع یہ شیع کی جمع ہے۔ شیع یہ شیعۃ کی جمع ہے۔ من قبل اس سے مراد گزری ہوئی کافر قومیں ہیں۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ وہ رسولوں، بعث، جنت اور دوزخ کے بارے میں شک میں مبتلا تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ دین اور توحید کے بارے میں شک میں مبتلا تھے۔ معنی ایک ہی ہے۔ مریب جس کے ساتھ شک میں پڑا جاتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اراب الرجل وہ شک والا ہو گیا۔ جس نے کہا: یہ اس ریب سے ہے جس کا معنی شک اور تہمت ہے اس نے کہا: یہ کہا جاتا ہے شك مريب جس طرح کہا جاتا ہے: عجب عجیب، شعر شاعر، یہ تاکید کے لیے ہوتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 253